یا مُردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار
جو فلسفہ لکھا نہ گیا خونِ جگر سے
(اقبالؒ)



علامہ اقبالؒ اور فلسفہ

زندگی اور موت

(ازروئے حدیث پاک و قرآنِ حکیم)

علامہ اقبال نے زندگی اور موت کے فلسفہ کو تین نقطہ نظر سے پیش کیا ھے یعنی اس کے تین پہلوؤں کو بڑے حسنِ انداز سے اجاگر فرمایا ھے

محمد جمیل الدین صدیقی
سپرنٹنڈنٹ ہائیکورٹ حیدرآباد اے پی (ریٹائرڈ)

ھدیہ
4/=
چار روپے

رحمٰن اسلامک پبلیشرز 23-1-525 منور کا پیچ کوٹلہ عالیجاہ بی بی بازار حیدرآباد

بار اول
ایک ہزار
جون ۸۸ء

فہرست مضامین

مصنف کی دیگر ملاحظہ طلب کتب

نمبر شمار	مضامین
۱	مسلمانوں کے زوال کے اسباب
	اقبال کی نظر میں
۲	فلسفہ لا الٰہ الا اللہ
	نماز روزہ حج اور علامہ اقب
۳	مسلمانوں کے زوال کا حل
	قل ھو اللہ میں مضمر ہے
	علامہ اقبال کی لاجواب تفسیر
۴	علامہ اقبال اور فلسفہ تقدیر
	وغیرہ
۵	مسلمانوں کے عہد زوال میں
	کا حصہ و رول۔ اور علامہ ا
	کا نقطہ نظر
۶	مسلمانوں نے ہندوستان
	کیا دیکھا، کیا لیا، کیا دیا،
	کیا کھو دیا؟
	علامہ اقبال کے نظر
۷	شان محمدؐ کیا کہیے بس شا
	غلامان سن لیجیے یہ
۸	والدین کے حقوق
	قرآن و حدیث کی روشنی
-۹	علامہ اقبال اور فلسفہ جہا
-۱۰	علامہ اقبال اور فلسفہ شہادت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ اقبال اور فلسفہ زندگی اور موت

اور اسلامی نقطہ نظر

عام طور پر روح اور بدن کے ملاپ کو زندگی کہتے اور بدن سے روح کی علیحدگی کو موت سمجھتے ہیں۔ علامہ اقبال نے زندگی اور موت کے تین پہلوؤں پر تین حیثیت اور تین زاویہ نگاہ کے پیش نظر اپنے نکات نظر پیش کئے ہیں آپ دیکھیں گے کہ وہ قرآن اور حدیث سے کس قدر مطابقت رکھتے ہیں۔ وہ تین پہلو یا تین زاویہ نگاہ حسب ذیل ہیں۔

1۔ مقصد زندگی اگر حاصل ہو تو وہی ہے اصل حیات۔ ایسی حیات ہی انسان کو حیات جاوید عطا کرتی ہے اگر انسان مقصد حیات سے غافل رہے اور پھر زندہ رہے تو یہ اسکی زندگی نہیں بلکہ اسکی دائمی موت ہے جو زندگی ہی میں اسے فنا سے ہمکنار کر دیتی ہے۔

۲۔ زندگی میں خوشی و غم عیش و عشرت غم و راحت مصائب حادثات جو درپیش آتے ہیں علامہ کا نقطہ نظر ہے کہ خوشی عیش و عشرت اور راحت انسان کو حقیقی زندگی سے محروم کر دیتے اور غم مصائب و حادثات ہی انسان کو زندگی کے راز سے آگاہ کرتے اور اصل زندگی عطا کرتے ہیں۔

۳۔ تیسری نوعیت زندگی اور موت کی وہ ہے جو عام طور پر سمجھی جاتی ہے یعنی جو جسم و روح کے ملاپ یا علیحدگی سے مراد ہے یعنی جسم سے روح کا تعلق برقرار ہے تو زندگی اور جسم سے روح کی علیحدگی ہو تو موت اب مندرجہ بالا تین عنوانات کے تحت ہر عنوان پر ہم علیحدہ بحث کریں گے مگر جو چیز ہمیں ذہن نشین رکھنی ہے وہ یہ ہے کہ جہاں تک نقطہ "زندگی کا تعلق ہے کائنات کی مکمل فضاء زندگی سے معمور ہے جھاڑ و درخت بھی پہاڑ بھی غرض کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اپنی نوعیت کی ایک زندگی رکھتا ہے اور اپنے مقصد حیات کی تکمیل میں لگا ہوا ہے بقول علامہ اقبال۔

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی ؛ ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی!

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ ؛ جاوداں پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی!

جیسا کہ بیان کیا گیا کائنات کا ذرہ ذرہ زندگی کا حامل ہے اور کائنات کی فضاء زندگی سے معمور ہے لیکن

کائنات میں انسان کی زندگی کو بڑی اہمیت حاصل ہے چونکہ انسان کی زندگی کا مقصد بہت
ہے اور انسان کی زندگی اور موت کا مفہوم بھی بہت ہی وسیع و بالا ہے۔ کائنات
زندگی کے مقصد کی تکمیل کے بعد مرجاتی اور مردہ ہو جاتی ہے لیکن اگر انسان نے اپنے
کی تکمیل کرلی تو وہ مرکر بھی حیات جاوید کا مالک بن جاتا ہے اور بغیر مقصد حیات کی تکمیل کے
پھر وہ چلتا پھرتا مردہ ہے؟ اس لئے علامہ اقبال پہلے پوچھتے پھر اس طرح سمجھا۔

تجھے معلوم ہے غافل! کہ تیری زندگی کیا ہے ؛ کشتی ساز معمورِ نوا ہائے کل
قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب ؛ اس زیاں خانے میں تیرا امتحان
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے ؛ سرِ آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے ز
زندگی کی قوت پنہاں کو کر دے آشکار ؛ تا یہ چنگاری فروغ جاوداں پیدا

زندگی اور موت کا پہلا پہلو

مقصد اوّل اقرار توحید جیسا کہ اللہ پاک قرآن پاک میں فرماتے ہیں "نہیں پیدا کیا ہم
کو مگر اس لئے کہ ہماری بندگی کریں پھر سورہ البقر میں فرما
نے فرشتوں سے کہا ہم زمین پر اپنا نائب بنانے والے ہیں۔ یعنی انسان کو پیدا کر نے بعد
سے انسان کی ذمہ داریاں بڑی عظیم ہو گئیں کہ اس کی زندگی کا مقصد اللہ کی نیابت اور
بندگی اور تقاضا زندگی کی تکمیل کے ساتھ۔ پھر سورہ بنی اسرائیل میں فرماتے ہیں "اللہ
کوئی معبود مت تجویز کرو ورنہ تو بدحال بے یار و مدد گار ہو کر بیٹھ رہے گا گویا
کا مقصد شرک سے پرہیز اور توحید و وحدانیت کا قرار و اعلان ہی انسان کا مقصد زند
زندگی ہوا اس نقطہ نظر سے اگر حیات جاویداں اور ابدی زندگی کی خواہش ہو تو حضرت اقبال

تھا د زندگی میں ابتداء لا انتہا الا ؛ پیام موت ہے جب لا ہوا الا

یعنی انسان کی زندگی کی بنیاد لا "نہیں" سے شروع ہوتی ہے اور انتہا الا یعنی معبو
ماننے اور معبود تک پہنچنے پر ختم ہوتی ہے۔ اگر انسان کی زندگی جو لا سے شروع ہوئی تھ
ربانی کی حامل ہوگئی اور زندگی کی انتہا معبود کے تصور میں فنا ہو جاتے پر ہوئی تو یا
حیات جاوید اور ابدی زندگی کی ضامن بن گئی اگر زندگی پاکر معبود سے بیگانہ ہو

چیز انسان کے لئے موت بن گئی ظاہراً وہ زندہ ہی کیوں نہ نظر آئے۔ جاوید نامہ میں فرماتے ہیں۔

(۱) قربِ جاں با آنکہ گفت "اِنّی قریب" ؛ از حیاتِ جاوداں بردن نصیب

(۲) فرد از توحید لاہوتی شود ؛ ملّت از توحید جبروتی شود

ترجمہ (۱) : جان یعنی زندگی کی قربت تو اللہ پاک کے ساتھ وابستہ رہنے میں ہے۔ جس نے "اِنّی قریب" کہا اس کو حیات جاوداں اور زندگی جاوید نصیب ہو گئی یعنی اللہ کا قربت حیات دائمی کا راز ہے۔

(۲) انسان توحید کو مان کر لاہوتی یعنی عالم لاہوت کا مکیں بن جاتا ہے۔ اور ملت جب اللہ کی توحید اور وحدانیت کا اقرار کرتی ہے تو باجبروت یعنی قدرت والی بزرگی و عظمت جاہ و جلال والی ہو جاتی ہے جیسا کہ ضرب کلیم میں علامہ فرماتے ہیں۔

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت ؛ یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

انسان جب مومن بن کر مندرجہ بالا چار عناصر کا مجموعہ ہو جائے تو اس کو تہ و بالا کون کر سکتا ہے جیسا کہ اپنی معروف کتاب "پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق" میں علامہ فرماتے ہیں۔

خیر را او باز می داند ز شر ؛ از نگاہش عالمے زیر و زبر

ترجمہ :- مومن ہمیشہ شر سے بچا رہتا ہے تو اس کا عالم یہ ہوتا ہے کہ اس کے ایک ادنیٰ سے اشارے بلکہ اس کی نگاہ سے ایک عالم زیر و زبر تہ و بالا ہو جاتا ہے تو مومن کے نابود ہونے یا تہہ و بالا ہونے موت سے ہمکنار ہونے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے جیسا کہ بال جبریل میں فرماتے ہیں۔

مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں کہ ہے ؛ اس کی اذانوں سے فاش سرِ کلیم

مقصد زندگی دوم اطاعت رسول و پابندی شریعت

پھر اللہ پاک کا حکم ہوتا ہے "یا اطیعوا اللہ واطیعوا الرّسول" یعنی اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ پس ظاہر ہو گیا کہ مقصد زندگی اقرار توحید کے بعد اطاعت اللہ و اطاعت رسول صلعم ہے یعنی رسول مصطفےٰ صلعم کے حکم کی تعمیل۔ اب حکم رسول اللہ صلعم ہے کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اس کی خواہش اس (شریعت) کے تابع نہ ہو جائے جسے میں لیکر آیا ہوں۔ پھر فرمان آقا نامدار صلعم ہے تمہارا ایمان اسوقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک میں تمہیں تمہاری اولاد مال و جان سے زائد عزیز نہ ہو جاؤں گویا عشق محمدیؐ اور شریعت محمدیؐ کی کماحقہ تعمیل ہی حیات کا مقصد دوم بعد اقرار توحید ہوا۔ مندرجہ بالا احکام کے تحت عشق رسولؐ اور شریعت محمدیؐ کی پابندی کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں علامہ اقبال کی زبان میں اللہ کی جانب سے سنئے

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے ؛ دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے
کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ؛ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

جب انسان مومن بن کر زندگی کی اس منزل پر پہنچ جاتا ہے جہاں عشق محمدؐ کی انتہا بصورت تکمیل شریعت ظہور پذیر ہوتی ہے اور تبلیغ انسان ہی اس کی زندگی کا جزو بن جاتا ہے تو اس منزل کو "دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دینے کی منزل کہتے ہیں۔ جب اس منزل پر انسان پہنچ جائے اور "سند وفائے محمدؐ" اسے مل جائے تو اللہ پاک لوح و قلم اس مردِ مومن کے حوالے فرما دیتے ہیں۔ اور کائنات اس کے قبضہ میں آجاتی ہے بقول حضرت اقبال ؎

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی ؛ میرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک
عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث ؛ مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے

جب وفا محمدؐ کی یہ منزل زندگی میں آتی ہے تو موت اس کی کنیز بے دام اور حیاتِ ابدی و زندگیِ جاوید اس کی دائمی منزل بن جاتی ہے۔

زندگی کا ایک اور راز اتحاد ملت و روشنیٔ حق

اللہ پاک قرآن حکیم میں فرماتے ہیں زندگی کا اصل راز اور مقصد — "(اے ایمان والو!) سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو" (آل عمران ۱۰۲) —

اب علامہ قرآن کی روشنی میں جاوید نامہ میں زندگی کا راز بصورت فرد اور ملت سمجھاتے ہیں :—

۱۔ چیست ملت اے کہ گوئی لا الٰہ ؛ با ہزاران چشم بودن یک نگہ
۲۔ بے تجلی نیست آدم را ثبات ؛ جلوۂ ما فرد و ملت را حیات
۳۔ ملتے چوں می شود توحید مست ؛ قوت و جبروت می آید بدست
۴۔ ملتے چوں مرد کم خیزد ز قبر ؛ چارۂ او چیست غیر از قبر و صبر

ترجمہ:۔ اے لا الٰہ کہنے والے اے شمع توحید کے پروانے ! کیا تو جانتا ہے کہ ملت کس کو کہتے ہیں ہزاروں انسان کا ہم خیال ہونا ایک نظرہ ہونا یعنی اتفاق ملت ہونا ملت کی زندگی ہے اگر اتفاق ہو تو بیہ فرد کی تو کیا ملت کی موت ہے۔

۲۔ اے انسان ! تجلی خدا یعنی روشنی حق ہی انسان کو ثبات دیتی یعنی زندگی کی بقاء کی ضامن ہے جب روشنی حق سے ملے ہم آگے بڑھیں تو ہمارا ظہور فرداً ہو کر بصورت ملت حیات ہی حیات زندگی ہی زندگی ہے۔

(۳) جب کوئی ملت توحید میں مست اور سرشار رہتی ہے تو ایسی زندگی پاتی ہے۔ جو قوت والی بھی ہوتی ہے اور وہ ملت صاحب جبروت بھی ہوتی ہے (کون انکار کرسکتا ہے کہ قوت و جبروت ہی اصل زندگی نہیں)
(۴) ۔ جب کوئی ملت روشنی حق چھوڑ دیتی ہے تو وہ مرجاتی ہے۔ قبر میں دفن ہو جاتی ہے اور اپنی قبر سے سمجھ لو کہ اٹھ ہی نہیں سکتی اب اس کے لئے قبر میں لیٹے رہنے اور صبر کرنے کے سوا کوئی علاج ہی باقی نہیں رہ جاتا۔

اصل زندگی کا راز علامہ ہر شخص کو بانگِ درا میں یوں سمجھاتے ہیں ۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں ؛ موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

پھر جاوید نامہ میں اور تفصیل سے فرماتے ہیں ۔

۱۔ اہلِ حق را حجت و دعویٰ یکیست ؛ خیمہ ہائے ما جدا دلہا یکیست
۲۔ روح ملت را وجود از انجمن ؛ روح ملت نیست محتاج بدن
۳۔ تا وجودش را نمود از صحبت است ؛ مُرد چوں شیرازہ صحبت شکست

ترجمہ (۱) ۔ اصل زندگی اہل حق یعنی اللہ والوں کی یہ ہوتی ہے کہ ان کا دعویٰ و حجت ایک ہی ہوتی ہے گو جسم دیکھنے کو الگ الگ جدا جدا نظر آتے ہیں لیکن سب کا دل ایک ہی ہوتا ہے (جو اصل زندگی ہے)
(۲) ۔ فرد تو کیا ملت کی روح یعنی بقاء و زندگی صرف انجمن یعنی جماعت سے ہے ملت کی زندگی ملت کی روح بدن کی محتاج نہیں رہتی مطلب صاف ہے کہ زندگی کی خواہش تو ایک ملت ہو کر ملت میں گم ہو جانے میں ہی زندگی ہے۔

(۳) ۔ فرد ہو کہ ملت اس کے وجود کی نمود، نشوونما اور زندگی کی بقاء کا راز اتحاد اور ایکجا رہنے میں ہے جوں ہی اس کے اتحاد میں فرق آیا شیرازہ اتحاد وصحبت و یکجائی بکھر گیا تو فرد تو کیا ملت شکستہ ہو کر موت کے عذاب سے ہمکنار ہو جاتی ہے۔ گویا علامہ کے یہ اشعار آقا نامدار صلعم کے اس فرمان کی تفسیر ہیں کہ "جماعت میں رحمت ہے اور متفرق ہونا عذاب ہے۔
پس معلوم ہوا کہ قوم کی اصل زندگی اتحاد اور قوم کی موت جس میں فرد خود ہی شامل ہوتا ہے ۔ نفاق میں مضمر ہے ۔

عمل اور انقلاب حسنہ کا رجحان اصل زندگی

علامہ بال جبریل میں فرماتے ہیں ۔

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی ؛ روح امم کی حیات کشمکش انقلاب

نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا ؛ تو اک نفس میں جہاں سے مٹنا تجھے مثالِ شرار
پھر ارمغان حجاز میں فرماتے ہیں ۔

مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام ؛ گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوش
بہرحال انقلابات حسنہ لانے کی کشمکش میں مبتلا رہنا عین زندگی ہے اور اس کشمکش سے محرومی
اس کے لئے ہمیشہ عمل کے میدان میں قدم جمائے بڑھتے رہنا ہوتا ہے یعنی عمل وہ چیز ہے کہ مر
انسان کو زندگی بخشتا ہے اس لئے علامہ فرماتے ہیں "مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا کا
پھر فرماتے ہیں ۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی ؛ یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ نا
علامہ کا اٹل نظریہ ہے کہ حیات دراصل عمل میں پوشیدہ ہے زندگی کا مقصد اور لذت حا
تو یہ صرف عمل سے حاصل ہوتی ہے اس مضمون کو اسرار خودی میں علامہ یوں بیان فرمات

۱۔ زندگی پوشیدہ مضمون حیات ؛ لذت تخلیق قانون حیات
پھر آگے فرماتے ہیں ۔

۲۔ در جہاں نتوان اگر مردانہ زیست ؛ ہمچو مرداں جاں سپردن زندگی اس
۳۔ گر فنا خواہی ز خود آزاد شو ؛ گر بقا خواہی بخود آباد شو

ترجمہ :۔ (۱) اگر دنیا میں مردانہ انداز سے زندگی بسر کرنے کا موقع نہ ملے تو مردانِ خدا
جان اللہ کے حوالے کر دینا عین زندگی ہے ۔ (اس سلسلہ میں تمام شہدائے اسلام اور امام حسین
اس شعر کا مطلب اور علامہ کا اس سلسلہ میں نقطہ نظر کو نہایت ہی خوبی سے واضح کرتے
(۲) ۔ اگر تو فنا ہو جانا چاہتا ہے تو بے لگام بے ہنگام زندگی گزار اور اگر تجھے بقاء کی خواہش
تو اصول اور احکام کے تحت زندگی بسر کر یہی بقا اور آباد رہنے کا راستہ ہے ۔
بہرحال زندگی عمل سے بقا پاتی ہے اگر زندہ رہنا ہو اور اپنی دنیا زندوں میں پیدا کرنی ہو
عمل سے ہی ممکن ہے اور ابنِ آدم کی زندگی کا راز اور ضمیر کی تعمیر صرف عمل ہی سے ممکن ہے
سے لگن، محنت اور زندگانی کی حقیقت کو دریافت کرنا ہو تو علامہ فرماتے ہیں یہ حقیقت
کوہکن کے دل سے پوچھ کہ دودھ کی نہر پہاڑ کھود کر لانے کی تھی جس نے اس کو لافانی بنا د
علامہ فرماتے ہیں ۔ زندگی کی تمنا ہو تو مرد حر کی زندگی کی ضرورت ہے ۔ چونکہ غلامی کسی فر
کی ہو یا کسی معبود مجاہد کی یہ انسان کی زندگی کو ایک پانی کی چھوٹی سی نہر بنا کر رکھ دیتی اور حر

آزادی زندگی کو بحر بیکراں بنا دیتی ہے یہ غلامی کی لعنت ہو یا آزادی کا تحفہ زندگی میں عمل ہی سے ملتا ہے۔ علامہ ان ہی خیالات کو بانگِ درا میں زندگی کا عنوان دیکر یوں ظاہر فرمارہے ہیں۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے ؛ سرِّ آدم ہے ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی!
زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ ؛ جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی!
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب ؛ اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی!
آشکارا ہے یہ اپنی قوت تسخیر سے ؛ گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی!
قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب ؛ اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی
یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے ؛ پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!
صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم ؛ کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

بس یہ چیز پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ عمل ہی انسان کو حیات اور زندگی بخشتا ہے اور عمل سے غفلت انسان کو موت سے ہمکنار کر دیتی ہے۔ پھر علامہ بانگ درا ہی میں فرماتے ہیں۔

جنبش سے ہے زندگی جہاں کی ؛ یہ رسم قدیم ہے یہاں کی
اس رہ میں مقام بے محل ہے ؛ پوشیدہ قرار میں اجل ہے
چلنے والے نکل گئے ہیں ؛ جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں

بہرحال جس نے عمل جاری رکھا زندگی پائی جو عمل سے غافل ہو کر ایک جا ٹھہرے کچل دیئے گئے فنا ہو گئے موت سے ہمکنار ہو گئے

زندگی پانے کا ایک راز خدمت خلق

اگر انسان کو زندگی پانے کی آرزو ہو تو اسکو خدمتِ خلق کو اپنانا ہوگا جس کے بارے میں علامہ حالی نے کہا ہے

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں ؛ کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

اس لئے علامہ اقبال فرماتے ہیں :۔

شرابِ روح پرور ہے محبت نوعِ انساں کی ؛ سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبو رہنا
خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

حیات جاوداں کا راز یقین محبت اور صداقت

ارمغان حجاز میں حیاتِ جاوداں کا راز علامہ یوں سمجھاتے ہیں۔

حیات جاوداں اندر یقین است ؛ رہ تخمین و ظن گیری بمیری

ترجمہ :- زندگی جاوید کی خواہش ہو تو وہ یقین محکم کے حاصل کرنے میں ہے اگر تو نے وہم راستہ اختیار کیا تو سمجھ تو مر گیا۔

علامہ زندگی کو ایک جہاد بتلاتے ہیں اس جہاد کو جیتنے اور زندگی کو حاصل کرنے کے ہتھیاروں کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اس کو یوں سمجھاتے ہیں۔

یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم ؛ جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ ؛ پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے

تحفظ خودی زندگی

علامہ اقبال زندگی دائمی کا ایک راز خودی یعنی خود شناسی و معرفت الٰہی سے غافل نہ رہنا بتلاتے ہیں جیسا کہ فرمایا آقائے دو جہاں نفس کا عرفان خدا کا عرفان ہے یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا :

بالِ جبریل میں فرماتے ہیں۔

خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا ؛ مقام رنگ و بو کا راز پا جا

خودی کیا ہے راز درونِ حیات ؛ خودی کیا ہے بیداری کائنات

نہ ہے ستارہ کی گردش نہ بازیٔ افلاک ؛ خودی کی موت ہے تیرا زوالِ نعمت

ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی ؛ یہ بھی ممکن ہے تو موت سے بھی مر نہ سکے

پھر علامہ اسرار خودی میں مزید وضاحت کرتے ہیں۔

۱- چیست مردن؟ از خودی غافل شدن ؛ تو چہ پنداری فراق جان و تن

۲- زندگی ہر جائے خود بالیدن است ؛ از خیابان خودی گل چیدن است

ترجمہ (۱) :- (اے غافل) تو مرنے کو کیا چیز سمجھتا ہے۔ دراصل خودی سے غافل ہونا یعنی اور معرفت الٰہی سے غفلت ہی دراصل موت ہے۔ اور یہی حقیقت میں مرنا ہے۔ کیا تو معنی بدن سے جان کے نکل جانے کو سمجھتا ہے؟ نہیں بلکہ خودی سے آگاہی زندگانی ہے اور غفلت (۲) :- زندگی تو خود سے ہر جگہ نشو و نما پا رہی ہے۔ زندگی کا راز خودی کے گلستاں سے پھول چننا ہے مرید کلیم

حیات و موت نہیں التفات کے لائق ؛ فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود

خودی انسان کو زندگی بخشتی ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ کے نقطہ نظر کی وضاحت ایک مستقل کتاب کی محتاج ہے۔ بخوف طوالت اتنا ہی کافی سمجھ کر اور علامہ کے نقطہ نظر سے زندگی اور موت کے دوسرے پہلو کی جانب متوجہ ہوں۔

دوسرا پہلو زندگی اور موت

یعنی غم، مصائب، حادثات ہی زندگی ۔ خوشی راحت عیش درحقیقت موت

یہ ایک فطرت انسانی ہے کہ انسان زندگی بھر کے لئے خوشی عیش و عشرت راحت ہی کو پسند کرتا ہے اور بقول علامہ اقبال ـــــ سر پہ آجاتی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں

اشک پیہم دیدۂ انسان سے ہوتے ہیں رواں

انسان نہیں سمجھتا کہ یہ راحت عیش و عشرت اس کو زندہ جاوید بننے نہیں دیتے بلکہ زندگی ہی کو موت میں بدل کر رکھ دیتے ہیں ۔ انسان مصائب کو آگ سمجھ کر گھبراتا ہے ۔ یہ دراصل وہ آگ ہے جو انسان کی زندگی کو کندن بنا کر رکھ دیتی ہے ۔ بقول علامہ ہر کوئی اپنے نقطہ نظر سے زندگی یوں تعریف کرتا ہے ۔

گل تبسم کہہ رہا تھا زندگانی کو مگر ؛ شمع بولی گریۂ غم کے سوا کچھ بھی نہیں

انسان گو خوشی ہی کو زندگی جانتا اور غم میں موت کی سی گھبراہٹ محسوس کرتا ہے لیکن رسول خدا صلعم کے اور اللہ پاک کے ارشادات کچھ اس طرح ہیں :۔

اپنے عظیم المرتبت صحابی سے مخاطب ہو کر آقا نامدار صلعم نے ارشاد فرمایا " اے معاذؓ عیش پسندانہ زندگی سے بچنا اس لئے کہ نیک بندے عیش پسندانہ زندگی نہیں گزارتے " ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور کسی سے اظہار نہ کرے اور نہ شکوہ شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخش دے (طبرانی)

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا اللہ کا ارشاد ہے " اے ابن آدم! اگر تو نے کسی صدمہ کے پہنچنے کے وقت ابتداء ہی میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی تو میں راضی نہیں ہوں گا کہ تجھے جنت سے کم اور اس کے سوا کوئی ثواب دیا جائے (ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلعم نے فرمایا کہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی اولاد اور مال پر بلائیں آتی رہتی ہیں یہاں تک کہ وہ اللہ سے جاملتے ہیں اور ان کی کوئی خطا باقی نہیں رہتی (ترمذی)

سورہ بقرہ کی ۲۱۶ ویں آیت میں اللہ پاک فرماتے ہیں " ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور

وہی تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو وہی تمہارے لئے بُری ہو اللہ جانتا ہے نہیں جانتے"۔ انسان خصوصاً نوجوان عارضی لذت کا شیدائی نظر آتا ہے جو دراصل اسکے لئے ایک تیز چاقو ہیں جو اس زندگی کو ختم کر کے رکھ سکتے ہیں اگر اللہ پاک نا واجبی خواہشات کی چاقو کو اس سے چھین لیتے ہیں تو ایک انسان خصوصاً نوجوان ایک طفل شیر خوار کی طرح چیختا چلاتا ہے۔ تو پروردگار عالم علامہ اقبال کی زبان میں اس سے یوں مخاطب ہوتے ہیں۔

میں نے چاقو تجھ سے چھینا ہے تو چلاتا ہے تو ؛ مہرباں ہوں میں تجھے نامہرباں سمجھا ہے تو
آہ! کیوں دکھ دینے والی شے سے تجھ کو پیار ہے ؛ کھیل اس کاغذ کے ٹکڑے سے یہ بے آزار ہے

پھر علامہ ایک شیر خوار بچے اور ایک نوجوان کا تقابل خود کو نوجوان بتلاتے ہوئے اس طفل سے مخاطب ہو کر اسطرح ک

جب کسی شئے سے بگڑ کر مجھ سے چلاتا ہے تو ؛ کیا تماشا ہے ردّی کاغذ سے من جاتا ہے تو
آہ اس عادت میں ہم آہنگ ہوں میں بھی ترا ؛ تو تلوّن آشنا میں بھی تلوّن آشنا
عارضی لذت کا شیدائی ہوں چلاتا ہوں میں ؛ جلد آجاتا ہے غصہ جلد من جاتا ہوں میں
میری آنکھوں کو لبھا لیتا ہے حسن ظاہری ؛ کم نہیں کچھ تیری نادانی سے نادانی مری

جن انساں کی زندگی بظاہر سراپا عیش و عشرت کی شراب کے نشہ میں مخمور نظر آتی ... مگر علامہ فرماتے ہیں کہ ان کی ظاہری مسکراہٹوں اور دل کی عمیق گہرائیوں میں غم بھی پنہاں ہوتے ہیں۔

گو سراپا کیفِ عشرت ہے شراب زندگی ؛ اشک بھی رکھتا ہے دامن میں سحاب زندگی
موج غم پر رقص کرتا ہے حباب زندگی ؛ ہے الم کا سورہ بھی جزو کتاب زندگی

علامہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی انسان کی زندگی کلفت غم سے نا آشنا ہے تو گویا زندگی کے راز سے اسکی آنکھ محروم اور زندگی کی رفعت اس سے چھپی ہوئی ہے۔

کلفتِ غم گر اس کے روز و شب سے دور ہے ؛ زندگی کا راز اس کی آنکھ سے مستور ہے
حادثاتِ غم سے ہے انساں کی فطرت کو کمال ؛ غازہ ہے آئینۂ دل کیلئے گردِ ملال

انساں کیلئے تو رات دن حادثات اور مصائب بقول علامہ اسکو پرکھنے اور حیات و ممات کا راز سمجھانے آتے ہیں

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات ؛ سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
سلسلہ روز و شب تار حریر دو رنگ ؛ جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبا کے صفات!
سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فغاں ؛ جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات!
تجھ کو پرکھتا ہے یہ مجھ کو پرکھتا ہے یہ ؛ سلسلۂ روز و شب صیرفیٔ کائنات!

علامہ کا اعلان ہے کہ غم ہی انسان کو زندگی بخشتا اور راحت کو علامہ دل کی روح کی موت مختصر یہ

محمد جمیل الدین

کی ابدی موت سمجھتے ہیں علامہ کا نظریہ ہے کہ زندگی میں کلفتِ غم نہ ہو تو انسان زندگی کے حقائق راز اور مقصد زندگی کے حصول ہی سے محروم ہو جاتا ہے باعزت باوقار زندگی حاصل کرنے کے لئے جو اصل راز ہے وہ یہ ہے کہ مصائب کے کانٹوں سے الجھ کر زندگی گزارنے کی اپنے میں عادت ڈال لینی چاہیئے۔ آرام طلبی اور دنیا کے عیش وعشرت سے دور رہنا ہی ترقی کے آسمانوں پر پرواز کرنے اور زندہ رہنے اور زندگی کا ثبوت دینے کے راز ہیں

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزار ہستی میں ؛ تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے
اگر منظور ہو تجھ کو خزاں نا آشنا رہنا ؛ جہانِ رنگ و بو سے قطع پہلے آرزو کر لے

عیش وعشرت کی زندگی کی گرماتی ہوئی محفلیں جس میں حقیقی زندگی کا دھوکہ ہوتا ہے بقول علامہ یہ محفلیں جسمانی و روحانی معاشی زندگی کو پھونک کر رکھ دیتی ہیں فرماتے ہیں۔

میں ان کی محفل عشرت سے کانپ جاتا ہوں ؛ جو گھر کو پھونک کر دنیا میں نام کرتے ہیں

وہ انسان جو غم سے نا آشنا ہے وہ نہ تو مردِ کامل بن سکتا ہے اور نہ روحانی چمن کا اسے بلبل کہا جا سکتا ہے اگر انسان کی زندگی کا ہر پہلو درد مصائب حادثات اور صبر سے ہمکنار ہو تو گویا اس کی زندگی ایک مہکتا ہوا گلاب مکمل ہے اگر ایک بھی اسکی زندگی کا پہلو غم سے نا آشنا ہے تو اسکی زندگی ایک مکمل گلاب کی تعریف میں نہیں آتی اور انسان کے دل میں غم کے جو داغ ہوتے ہیں وہی دراصل سینہ کے چراغ بن کر زندگی کا راستہ دکھاتے اور روح کو سامانِ زینت فراہم کرتے ہیں اس قدر بلند تخیلات کو علامہ یوں سمجھاتے ہیں۔

ایک بھی پتی اگر کم ہو تو وہ گل ہی نہیں ؛ جو خزاں نا دیدہ ہو بلبل وہ بلبل ہی نہیں
دیدہ بینا میں داغ چراغ سینہ میں ؛ روح کو سامانِ زینت آہ کا آئینہ ہے

انسان کا دل کو دنیوی آرزوں کے خون سے ایک خیالی گلدستہ اور تصور ہی تصور میں ایک رنگین داستان بنا لیتا ہے۔ مگر انسان زندگی کا نغمہ گانا چاہتا ہے تو یہ نغمہ فغاں میں مضمر و پوشیدہ ہے یہ فغاں مصائب اور عشق حقیقی کی سختیوں سے دوچار ہونے پر ہی نصیب ہوتی ہے۔ گویا غم زندگی کو سنوارنے جز ولازم ہے بقول حضرت اقبال اگر دل کا طائر حقائق کی بلندیوں تک پرواز کا خواہاں ہے تو غم کے پر لگا کر پرواز کرنا ہی واحد حل ہے اور دل کی جلا اور دل کے انکشافات تو غم ہی سے حاصل ہوتے اور دل کو حقیقی سرور سے آشنا کرتے ہیں۔ علامہ ان خیالات کو یوں فرماتے ہیں۔

آرزو کے خوں سے رنگیں ہے دل کی داستاں ؛ نغمۂ انسانیت کامل نہیں غیر از فغاں
طائرِ دل کے لئے غم شہپرِ پرواز ہے ؛ راز ہے انسان کا دل غم انکشافِ راز ہے
غم نہیں غم روح کا ایک نغمۂ خاموش ہے ؛ جو سرودِ بربطِ ہستی سے ہم آغوش ہے

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر ؛ نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر !

علامہ کے نقطہ نظر سے زندگی پختہ سے پختہ تر ہوتی ہے تو گردشِ پیہم اور مصائب زمانہ جھیل کر اور ان کا مردانہ وار مقابلہ کر کے درحقیقت دوامی زندگی پانے کا راز یہی مصائب اور تکالیف میں پوشیدہ ہے۔

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی ؛ ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی

جوانی عیش و غم و ذوقِ طلب

انسان کی زندگی کا سب سے زیادہ خطرناک زمانہ اس کی جوانی کا زمانہ ہوتا ہے اور یہی وہ زمانہ ہوتا ہے جبکہ وہ اپنی زندگی کی قابلِ رشک عمارت کی تعمیر کر سکتا ہے جوانی کو لطف خواب سے صرف علامہ فرماتے ہیں غم ہی جگا سکتا ہے زندگی کو حسین نغموں میں تبدیل کرنا ہو تو صرف یہ غم ہی کی بدولت ممکن ہے۔

غم جوانی کو جگا دیتا ہے لطفِ خواب سے ؛ ساز پیدا ہوتا ہے اسی مضراب سے

جس شخص نے اپنی زندگی عیش و عشرت لہو لعب میں بسر کردی گویا اس نے اپنی زندگی کا گلہ گھونٹ دیا اور زندگی پائیدار سے محروم ہو گیا۔ طلباء علی گڑھ یونیورسٹی کے نام بانگِ درا میں ان نوجوانوں کو علامہ نے جو پیام زندگی دیا ہے وہ حسب ذیل ہے

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے ؛ عشق کے دردمندوں کا طرزِ کلام اور ہے

آئی تھی کوہ سے صدا رازِ حیات ہے سکوں ؛ کہتا تھا مورِ ناتواں لطفِ خرام اور ہے

موت ہے عیش جاوداں ذوقِ طلب اگر نہ ہو ؛ گردشِ آدمی ہے اور گردشِ جام اور ہے

شمع سحر یہ کہہ گئی سوز ہے زندگی کا ساز ؛ غم کدہ نمود میں شرطِ دوام اور ہے

علامہ سمجھاتے ہیں جب تک تو مصائب حادثات غم سے دوچار نہیں تو خام کچا ناپختہ صرف مٹی کا ایک انبار ہی رہے گا۔ اور جب مصائب غم اور حادثات کی آگ میں جل کر تو پختہ ہو جائے تو پھر تو ایک شمشیر بے زنہار ہو جائے گا۔ لہٰذا تو مصائب غم اور حادثات سے آشنا ہو کر تجھ میں جو زندگی کی قوت چھپی ہوئی ہے اس کو آشکارا کر دے پوچھتے ہیں تو کب تک ایک چنگاری کی مثال رہے گا جس کی روشنی ایک لمحہ کیلئے ہوتی ہے بلکہ تو غم و مصائب سے آشنا ہو کر ہمیشہ کیلئے روشن ہو جا سنئے اندازِ بیاں

زندگی کی قوتِ پنہاں کو کر دے آشکارا ؛ تا یہ چنگاری فروغِ جاوداں پیدا کرے

پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار ؛ اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

علامہ عارضی خوشی عیش عشرت کے زمین و آسمان کو پھونک دینے اور مصائب و حادثات سے ٹکرا کر اپنی ایک نئی زندگی اپنے لئے ایک جہاں پیدا کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں بانگِ درا میں علامہ "عشرتِ امروز" کے عنوان کے تحت لکھتے

نہ مجھ سے کہہ کہ اجل ہے پیامِ عیش و سرور ؛ نہ کھینچ نقشہ کیفیتِ شرابِ طہور

فراق حور میں ہو غم سے ہم کنار نہ تو ؛ پری کو شیشۂ الفاظ میں اتار نہ تو
مجھے فریفتۂ ساقی جمیل نہ کر ـــــ ؛ بیان حور نہ کر ذکر سلسبیل نہ کر
مقام امن ہے جنت مجھے کلام نہیں ؛ شباب کے لئے موزوں ترا پیام نہیں

علامہ جوانی میں تصورات عیش و عشرت لئے زندگی گزارنے کے قائل نہیں نہ عاشق حور و تذکرہ سلسبیل میں وقت گزارنے کے قائل ہیں علامہ کہتے ہیں جنت اس میں کوئی کلام نہیں کہ مقام امن و سکون ہے لیکن شباب تو سکون کیلئے نہیں بلکہ مصائب اٹھانے جنت حاصل کرنے کیلئے ہے مفت کی جنت ہو کہ جو حکومت بلا محنت ملے اسکے بارے میں فرماتے ہیں :- خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے ؛ مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی

علامہ بانگ درا میں نوائے غم کے عنوان کے تحت خود اپنی زندگی اور غم کا تعلق اس طرح بتلاتے ہیں ـــ

زندگانی ہے مری مثل رباب خاموش ؛ جسکی ہر رنگ کے نغموں سے ہے لبریز آغوش
بربط کون و مکاں جس کی خموشی پہ نثار ؛ جس کے ہر تار میں ہیں سینکڑوں نغموں کے مزار
محشرستان نوا کا ہے امیں جس کا سکوت ؛ اور منت کش ہنگامہ نہیں جس کا سکوت
چھیڑ آہستہ سے دیتی ہے مرا تار حیات ؛ جس سے ہوتی ہے رہا روح گرفتار حیات
نغمۂ یاس کی دھیمی سی صدا اٹھتی ہے ؛ اشک کے قافلے کو بانگ درا اٹھتی ہے
اے کہ نظم دہر کا ادراک ہے حاصل مجھے ؛ کیوں نہ آساں ہو غم و اندوہ کی منزل مجھے
جسطرح رفعت شبنم ہے مذاق رم سے ؛ میری رفعت کی بلندی ہے نوائے غم سے

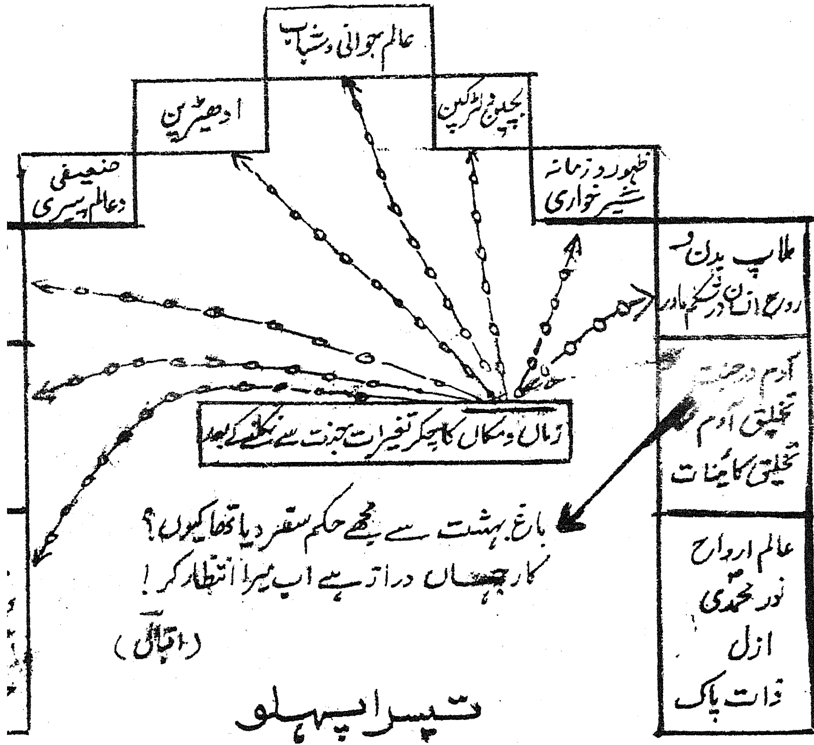
علامہ کا یہ بانگ دہل اعلان ہے کہ جس کا دل شکستی غم سے نا آشنا ہے اور جو ہمیشہ عیش و عشرت کی شراب میں مست رہ کر ہی زندگی بسر کرے ایسی زندگی جو خون جگر کے بغیر رنگین بنائی گئی ہو زندگی نہیں زندگی کا ایسا نغمہ جو خون جگر اور مصائب کے بغیر پیدا ہوا ہو وہ نغمہ ایک سودائے خام ہے ـ

جس کا جام دل شکست غم سے ہے نا آشنا ؛ جو سدا مست شراب عیش و عشرت ہی رہا
ہاتھ جس گلچیں کا ہے محفوظ نوک خار سے ؛ عشق جس کا بے خبر ہے ہجر کے آزار سے

علامہ فرماتے ہیں کہ مصائب اٹھانے کے بعد جو زندگی حاصل ہوتی ہے وہ اللہ پاک کو بہت عزیز ہوتی ہے اور مصائب کے تھپڑوں سے جو دل کا آئینہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے وہ خلاق اعظم کے نزدیک بہت ہی عزیز تر ہوتا ہے لہٰذا ـ

تو بچا بچا کے نہ رکھ ترا آئینہ ہے وہ آئینہ ؛ کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

پس معلوم ہوا کہ حقیقی زندگی مصائب غم حادثات سے ملتی ہے عیش و عشرت موت سے ہمکنار کر دیتے ہیں اب ہم زندگی کے اس پہلو پر آتے ہیں جو بدن اور روح کے ملاپ کا نام ہے اور بدن اور روح کی علٰحدگی کو موت کہتے ہیں ـ



تیسرا پہلو

فلسفہ زندگی اور موت اور علامہ اقبال

از روئے قرآن حکیم

یعنی بدن اور روح کا ملاپ زندگی اور بدن سے روح کی علیحدگی

موت اور زندگی کا ظاہری پہلو بے بسی و عبرت

عام فہم ادراک کے تحت زندگی سے مراد جسم ملاپ اور موت سے مراد جسم سے روح کی عام فطرت انسانی کے تحت زندگی پیار التیفات کے لائق اور موت ایک ناپسندیدہ ناگوار شئے اور بقول علامہ اقبال قلب

ایک چبھتا ہوا کانٹا ہے۔ اس آسمان کے نیچے رہنے والا عام انسان موت کے راز کے بارے میں سوچنے میں مصروف رہتا ہے وہ زندگی گزارنے کو بہت ہی مشکل اور موت کے آنے کو بہت ہی آسان سمجھتا ہے۔ اس دنیا کے گلشن میں وہ دیکھتا ہے کہ موت ایک ہوا کے جھونکے کا انداز لئے آتی ہے اور اپنی قوت کا اس انداز سے کرشمہ دکھاجاتی ہے کہ کبھی کئی کئی بلکہ ان گنت انسانوں کی زندگانیوں کے پھولوں کو حتیٰ کہ کلیوں کو بھی زمین پر گرا کر فنا کے گھاٹ اتار دیتی ہے۔ موت ایک سمندر ہے بہت گہرا نہایت ہی عمیق کہ دیکھنے کو تو سطح بہت ہی خاموش لیکن اندر اس کے بڑی ہنگامہ آرائیاں ہیں۔ اس موت کے سمندر کی موجیں کئی زندگانیوں کے کشتیوں کو اس بیکراں گہرے عمیق سمندر کے آغوش میں ڈبو دیتی ہیں۔ یہ سب کچھ اس قدر خاموشی تیزی اور بے اختیاری کے عالم میں ہوتا ہے کہ انسان اپنی بے بسی کی انتہا پر نظر آتا ہے زندگانی اسکو ایک طوق گلو افشار کا روپ سلئے نظر آتی ہے۔ موت کا شکاری اندھیرے اور تاریکی میں ایسا نشانہ لگاکر تیر چلاتا ہے کہ زندگی کا طائر آن کی آن میں موت سے ہمکنار ہوجاتا ہے جیسا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں۔ کُلُّ نفسٍ ذائقۃ الموت۔ ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے یا کل من علیھا فان ہر چیز کے لئے فنا ہے۔ علامہ اقبال ان ہی خیالات کو لئے یوں گویا ہو رہے ہیں :-

کلبۂ افلاس میں دولت کے کاشانہ میں موت ؎ دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانہ میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں ڈوب جاتے ہیں سفینے موت کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے زندگانی کیا ہے اک طوق گلو افشار ہے
تم بتا دو راز جو اس گنبد گردوں میں ہے موت اک چبھتا ہوا کانٹا دل انساں میں ہے

جہاں تک موت کے تعلق سے بے بسی کا تعلق ہے علامہ اقبال اپنی والدہ کے انتقال پر کہتے ہیں :-

ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے ؎ پردۂ مجبوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسماں مجبور ہے شمس و قمر مجبور ہیں ! ؎ انجم سیماب پا رفتار پر مجبور ہیں
نغمۂ بلبل ہو یا آواز خاموش ضمیر ؎ ہے اسی زنجیر عالم گیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجبوری عیاں ؎ خشک ہوجاتا ہے دل میں اشک کا سیل رواں
گرچہ میرے باغ میں شبنم کی شادابی نہیں ؎ آنکھ میری مایہ دار اشک عنابی نہیں

جانتا ہوں آہ میں آلام انسانی کا راز ؎ ہے نوائے شکوہ سے خالی میری فطرت کا ساز
میرے لب پہ قصہ نیرنگیٔ دوراں نہیں ؎ دل مرا حیراں نہیں خنداں نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریۂ پیہم کی ہے ؎ آہ! یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پائندہ ہے ؎ درد کے عرفاں سے عقل سنگ دل شرمندہ ہے
موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا ؎ گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا

یہ تو انسان کی بے بسی اور مجبوری کا حال ہوا۔ زندگی اور موت کے تعلق سے علامہ نے جو عمیق فلسفہ بیان فرمایا ہے وہ آگے اپنے وقت پر آ جائے گا۔ ابھی تو ہم عبرت موت اور زندگی کے ظاہری پہلو لئے پڑھ رہے ہیں۔ علامہ نے بانگ درا میں "گورستان شاہی" کے عنوان سے جو لکھا ہے وہ بڑا عبرت خیز ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اقبال جب حیدرآباد تشریف لائے تھے تو انہیں ایک چاندنی رات میں ذریعہ موٹر قطب شاہی بادشاہوں کے شاندار دلخراش خاموشی بے پناہ سکوت اور بے بسی میں ڈوبے ہوئے گنبدوں کو دکھانے لے جایا گیا۔ جہاں کے سماں سے متاثر ہو کر اولاً موت اور زندگی کے ظاہری پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔

عبرت

مقبروں کی شان حیرت آفریں ہے اس قدر
جنبش مژگاں سے ہے چشم تماشا کو حذر
کیفیت ایسی ہے ناکامی کی اس تصویر میں
جو اتر سکتی نہیں آئینۂ تحریر میں
سوتے ہیں خاموش آبادی کے ہنگاموں سے دور
مضطرب رکھتی تھی جن کو آرزوئے ناصبور
قبر کی ظلمت میں ہے ان آفتابوں کی چمک
جن کے دروازوں پہ رہتا تھا جبیں گستر فلک
کیا یہی ہے ان شہنشاہوں کی عظمت کا مآل
جن کی تدبیر جہانبانی سے ڈرتا تھا زوال
رعب فغفوری ہو دنیا میں کہ شان قیصری
ٹل نہیں سکتی غنیم موت کی یورش کبھی
بادشاہوں کی بھی کشت عمر کا حاصل ہے گور
جادۂ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گور
عرصۂ پیکار میں ہنگامۂ شمشیر کیا
خون کو گرمانے والا نعرۂ تکبیر کیا
شورش بزم طرب کیا عود کی تقریر کیا
دردمندان جہاں کا نالۂ شبگیر کیا
اب کوئی آواز سوتوں کو جگا سکتی نہیں
سینۂ ویراں میں جان رفتہ آ سکتی نہیں

بے ثباتی و تغیر

زندگی انسان کی ہے مانند مرغِ خوش نوا
شاخ پر بیٹھا کوئی دم چہچہایا اڑ گیا

آہ کیا آئے ریاضِ دہر میں ہم کیا گئے
زندگی کی شاخ سے ٹوٹے کھلے مرجھا گئے

اے ہوس خوں رو کہ ہے یہ زندگی بے اعتبار
یہ شرارے کا تبسم یہ خس آتش سوار

چاند جو صورت گرِ ہستی کا اک اعجاز ہے
پہنے سیمابی قبا محوِ خرامِ ناز ہے

چرخِ بے انجم کی دہشت ناک وسعت میں مگر
بے کسی اس کی کوئی دیکھے ذرا وقتِ سحر

اک صورت پر نہیں رہتا کسی شے کو قرار
ذوقِ جدت سے ہے ترکیبِ مزاجِ روزگار

خوابگاہ شاہوں کی ہے یہ منزلِ حسرت فزا
دیدۂ عبرت خراجِ اشکِ گلگوں کر ادا

ہے تو گورستاں مگر یہ خاک گردوں پایہ ہے
آہ اک برگشتہ قسمت قوم کا سرمایہ ہے

علامہ اقبال شاہی گورستان یعنی قطب شاہی گنبدوں میں بیٹھے ہیں تو انہیں پہاڑ پر قلعہ گولکنڈہ کے حصار اور چوٹی پر بالا حصار نظر آتا ہے جس پر بیٹھ کر بادشاہ وقت شام کو شہر کا نظارہ کرتے تھے تو علامہ بے ثباتی کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں :-

آہ! جولاں گاہِ عالم گیر یعنی وہ حصار
دوش پر اپنے اٹھائے سیکڑوں صدیوں کا بار

زندگی سے تھا کبھی معمور اب سنسان ہے
یہ خموشی اس کے ہنگاموں کا گورستان ہے

اپنے سکانِ کہن کی خاک کا دلدادہ ہے
کوہ کے سر پر مثالِ پاسباں استادہ ہے

علامہ جب ہسپانیہ تشریف لے گئے اور وہاں کی شاندار مسجد قرطبہ کی ویرانی دیکھی ایک طول اثر انگیز رقت خیز نظم بالِ جبریل میں لکھ کر موتیوں کی بارش فرمائی اور بے ثباتی دنیا کو یوں ظاہر فرمایا کہ

آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر
کارِ جہاں بے ثبات، کارِ جہاں بے ثبات

اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزلِ آخر فنا

مانک درامین فرماتے ہیں :

زندگی انساں کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں
دم ہوا کی موج ہے رم کے سوا کچھ بھی نہیں

اب چلیے علامہ کے یہ اشعار پڑھتے ہوئے موت اور زندگی پر سے پردے اٹھاتے آگے بڑھیں کہ

رازِ ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو
کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

ایک سوال حقیقتِ زندگی کو سمجھنے جو عام سطح پہ انسان کے ذہن میں آتا ہے تو اسکو علامہ اس طرح ظاہر کرتے ہیں۔

کوئی اب تک نہ سمجھا کہ انساں — کہاں جاتا ہے آتا ہے کہاں سے
حیراں ہے بوعلی کہ آیا کہاں سے ہیں — رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کدھر کو میں

آیئے دیکھیں کہ انسان آیا کہاں سے ہے اور جاتا کہاں سے ہے

آغاز زندگی

جہاں تک آغاز زندگی کا سوال ہے حدیث قدسی ہیکہ فرمایا آقائے نامدار صلعم نے (اللہ پاک کو جب مخلوقات و کائنات پیدا کرنے کا خیال آیا تو) اللہ نے اپنے نور سے نور محمدیؐ پیدا فرمایا گویا یہ مخلوق کی زندگی کا آغاز تھا۔ پھر اس نور محمدیؐ سے کائنات کو عالم وجود میں لایا' گویا نور محمدیؐ ہی آغاز زندگی و باعث تخلیق کائنات ہوا۔ اب آیئے قرآن حکیم کی جانب۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰي شَهِدْنَا۔

اور جب کہ ترے رب نے بنی آدم سے ان کی پیٹھوں میں سے ان کی ذریت کو نکالا اور خود ان کے اوپر ان کو گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں، ہم گواہ ہوئے آپ ہمارے رب ہیں۔

گو ابھی جسموں اور ارواح کا ملاپ نہ ہوا تھا لیکن یہ بھی ایک زندگی تھی کہ ان ارواح سے سوال کیا گیا انہوں نے سنا اور صحیح جواب دیا۔ زندگی کے مادہ کے ظاہری روپ میں نظر آنے اور تخلیق کائنات کا جہاں تک سوال ہے سورۃ البقرہ میں ارشاد ہو رہا ہے۔

"وہی ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے پھر آسمان کا ارادہ فرمایا تو ٹھیک سات آسمان بنائے"۔

اور آگے سورۃ البقرہ میں ارشاد ہو رہا ہے۔

"جب کسی بات کا حکم فرمائے تو اس سے یہی فرماتا ہے کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے (رکوع ۱۴/۱۴)

بہر حال اللہ پاک نے انسان کو جسم اور روح کا ملاپ دیکر عالم ظہور میں لانے کے قبل

کائنات پیدا کرنے کا ارادہ فرماکے حکم دیا کن (ہوجا) کائنات نور محمدیؐ سے عالم وجود میں آگئی گویا مہمان کے آنے کے پہلے مکان اور ضروریات کی تکمیل فرمائی جارہی ہے۔ یہہ واضح رہے کہ کائنات نے پیدا ہو کر زندگی تو پائی لیکن بے کیف ادھوری بے مقصد۔ ملائک یہہ عالم دیکھکر محسوس کرکے اور بقول علامہ شائد کہہ رہے تھے :۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید ؛ کہ آرہی ہے دما دم صدائے کن فیکون

اسکی وجہہ یہ تھی کہ آدم نے ابھی وہ زندگی نہ پائی تھی جو جسم اور روح کے ملاپ کا نام تھی۔ اب پھر قرآنِ حکیم سے استفادہ کی ضرورت ہے کہ سورۃ البقر میں تفصیلاً یوں ارشاد فرمائی گئی ہے۔

" جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب (آدم) بنانے والا ہوں بولے کیا ایسے کو نائب کریگا جو اسمیں فساد پھیلائے گا اور خون ریزیاں کریگا ہم تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں فرمایا مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے " (ع ۴ سورۃ البقر)

اب پارہ ۱۸ سورہ المومنوں کی طرف دھیان دینے کی ضرورت ہے فرماتے ہیں۔

" اور بے شک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا۔ ع ۱ ۔

اب علامہ حسام الدین فاضل علیہ الرحمہ نے بعد مطالعۂ عمیق مٹی سے انسان کو بنانے کی تفصیل کو یوں منظوم کیا ہے :۔

حق نے جبرئیلؑ سے فرمایا زمیں سے کہو ؛ خلق انساں کیلئے دیدے ذراسی مٹی
سن کے یہ حضرت جبرئیلؑ زمین پر آئے ؛ بولے ہے حکمِ خدا دے مجھے تھوڑی مٹی
بولی انسان اگر مجھ سے بنیگا، جبرئیلؑ! ؛ ہوگی برباد، سمجھ لیجئے میری مٹی
یہہ گنہ کرکے، جہنم کا جو ایندھن ہوگا ؛ ساتھ کمبخت کے، میری بھی جلیگی مٹی
مجکو دوزخ کی نہیں تاب کریں آپ معاف ؛ ہے قسم حق کی، جولی آپ نے میری مٹی
یہہ قسم سنتے ہی بس کانپ گئے روحِ امیںؑ ؛ ہاتھ خالی پھرے حاصل نہ کی کچھ بھی مٹی
حق تعالےٰ سے کیا عرض کہ اے ربِّ جلیل ؛ دی زمیں نے جو قسم میں نے نہیں لی مٹی
گئے میکائیلؑ و سرافیلؑ یکے بعد دیگر ؛ قسمیں دیدیں جو زمیں نے تو نہیں لی مٹی
حکمِ حق سے جو گئے اس کے یہاں عزرائیلؑ ؛ وہ قسم دیتی رہی، جبر سے لے لی مٹی
پیش کرنے یہ کہا حق نے کہ اے عزرائیلؑ ؛ جب قسم دی تھی زمیں نے تو یہ کیوں لی مٹی

عرض کی حکم کے آگے نہیں کچھ چیز قسم ؛ میں جو عاصی ہوں تو برباد ہے میری مٹی
حق نے فرمایا، کیا قابضِ ارواح تمہیں ؛ روحیں بھی آئیگی جس طرح کہ آئی مٹی
ملک الموت اگر ہوں گے، یہ جبرئیل امینؑ ؛ زندہ انسانوں کو چھوڑینگے کہ چھوڑی مٹی
شک نہیں اسمیں کہ ہوتا ہے وہیں دفن انساں ؛ اسکی تخلیق میں شامل ہے جہاں کی مٹی

بہر صورت اللہ کا ارادہ غالب تھا فرشتوں کا معروضہ قبول نہ ہوا۔ اللہ پاک نے مٹی سے آدم کو پیدا فرمایا۔ آئیے پھر قرآن حکیم کی طرف اور سورۃ البقرہ ہی کو آنکھوں سے لگا لیجئے۔ ارشاد خالق اعظم ہو رہا ہے۔

" اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا اور ہم نے فرمایا اے آدم تو اور تیری بیوی اس جنت میں رہو اور کھاؤ اسمیں سے بے روک ٹوک جہاں تمہارا جی چاہے مگر اس پیڑ کے پاس نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں ہو جاؤ گے تو شیطان نے اس سے (یعنی جنت میں) انہیں لغزش دی اور جہاں رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا اور ہم نے فرمایا نیچے اترو آپس میں ایک تمہارا دوسرے کا دشمن اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے۔ ۳۶

جیسا کہ قرآن حکیم کی مندرجہ بالا آیت سے ثابت ہوا کہ شیطان نے آدمؑ و حواؑ کو وہ پھل مکر و فریب سے کھلا دیا جو بقول علامہ اقبال ؒ ع ۔ یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو ــــــ آدم و حوا زمین پر آرہے اور ابلیس بھی پھینک دیا گیا۔ اب انسان کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے کرہ ارضی (زمین) پہ

آغاز زندگی آدم کرہ ارض پہ

جیسا کہ اللہ پاک نے آدمؑ حواؑ اور ابلیس سے کہا نیچے اترو آپسمیں ایک تمہارا دوسرے کا دشمن۔ تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

باغ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں؟
کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

اب جو اشکال بالکل نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ آدم و ابنِ آدم کو لوٹ کر پھر باغ بہشت میں جانے کس مدت کا انتظار کرنا ہوگا؟ جواب

ہوگا اس مدت سے مراد قیامت کے بپا ہونے تک کی مدت ہے۔

۲۔ دوسرا سوال جو ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس دنیا سے لوٹ کر جانے کے بعد صرف باغ بہشت ہی انتظار کر رہا ہوگا یا دوسرا بھی کوئی مقام انسان کے لئے اللہ پاک نے پیدا فرمایا ہے۔ جواب یہی ہوگا کہ ہاں ایک اور مقام بہشت کے علاوہ اللہ پاک نے پیدا فرمادیا ہے جسکو جہنم کہتے ہیں اور یہ ٹھکانے بلحاظ اعمال کے ہونگے اب حسب ذیل سوالات حل طلب رہ جاتے ہیں۔

۳۔ کار جہاں کیا ہے جسکی تکمیل کے لئے آدم ابن آدم کو کرہ ارض پر رہنا ہے؟

۴۔ قیامت برپا ہونے اور منزل آخرت تک پہنچنے تک بعد مرنے کے انسان کی روح کو کہاں رہنا ہوگا؟ اب سوال نمبر ۳، ۴ کے لئے قدرے تفصیل میں جانا ہوگا کہ آدم حوا اور ابلیس زمین پر آچکے آدمؑ کی زندگی احساس گناہ آہ وزاری شرمندگی اعتراف گناہ اور مغفرت طلبی میں بسر ہونے لگی مگر ابلیس اپنی سرکشی پر نازاں اور سرکشی پر اٹل اور آدم کا دشمن بنا رہا۔ پھر آئیے قرآن حکیم کی طرف سورۃ البقر میں اللہ پاک فرماتے ہیں۔

"پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے تو اللہ نے اسکی توبہ قبول کی بیشک وہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے"

اب ابلیس کے بارے میں سورۃ البقر جز ثانی رکوع (۲) میں فرماتے ہیں۔

"شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو۔ فی الواقع وہ تمہارا صریح دشمن ہے وہ تمہیں یہی حکم دے گا بدی اور بے حیائی کا" پھر سورہ بنی اسرائیل میں فرماتے ہیں" واقعی شیطان لوگوں میں فساد ڈالوا دیتا ہے واقعی شیطان انسان کا صریح دشمن ہے"۔

انسان اللہ کا نائب

جیسا کہ سورۃ البقر میں ہے توبہ آدم کی قبول ہوئی اور جیسا کہ اللہ پاک نے انسان کو پیدا کرنے کے قبل فرشتوں سے فرمایا تھا کہ میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں اللہ پاک نے آدم کو زمین پر اپنا خلیفہ و نائب بنا دیا۔

کار جہاں و مدت معینہ

جب انسان کو اللہ پاک نے اس قدر بلند مقام اپنا نائب بناکر عطا فرمایا تو پھر وہی پرانی تاکید کہ اللہ کی فرمانبرداری کرو اور شیطان کے بہکاوے سے گریز کرکے راہ راست پر رہو ورنہ بروز قیامت حساب و کتاب ہوگا۔

بس یہی ہے کار جہاں جو انسان کے ذمہ کیا گیا کہ ایک طرف اللہ کے حقوق ادا کرو تو دوسری جانب بندوں

کے حقوق میں بھی غفلت نہ برتنا۔ اور ان ہر دو صورتوں میں ابلیس کے بہکاوے میں نہ آنا اور اللہ پاک نے فرمادیا یاد رکھو ع — مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

پھر قیامت کے بارے میں فرمایا۔

(۱) اس دن جسمیں اٹھائے جائیں گے تو صور پھونکا جائے گا تو نہ ان میں رشتے رہیں گے نہ ایک دوسرے کی بات پوچھے گا"۔ (پارہ ۱۸ سورہ المومنون)

(۲) اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہو سکے گی اور نہ (کافر کے لیے) کوئی سفارش مانی جائے اور نہ کچھ لے کر (اسکی) جان چھوڑی جائے اور نہ ان کی مدد ہو۔ (سورہ البقر ع۶)

(۳) تو اللہ قیامت کے دن ان میں فیصلہ کردیگا جس بات میں جھگڑ رہے ہیں (سورہ البقرہ ع۱۴)

بس معلوم ہو گیا کہ وہ مدت جس مدت تک انسان کو جنت کے قابل بن کر جنت میں بعد حساب وکتاب جانا ہے وہ مدت ہے قیامت کے بپا ہونے تک کی مدت اور اس مدت کا صحیح علم اللہ پاک کو ہے۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے مرنے اور قیامت کے آنے میں، جو فاصلہ ہے اس وقت تک انسان کی روح کا قیام کہاں ہوگا جواب ہوگا "عالم برزخ میں" جسمانی حیثیت سے بعد میں بحث ہوگی اب دیکھتے ہیں کہ عالم برزخ کسے کہتے ہیں ؟

عالم برزخ

لغت کے اعتبار سے برزخ کے معنی ہیں (۱)۔ آڑ۔ پردہ۔ روک (۲) مخالف چیزوں کے درمیان کی چیز (۳) مصیبت اور آرام کا درمیانی درجہ (۴) مرنے کے بعد قیامت تک کا زمانہ (۵) وہ عالم جس میں مرنے کے بعد سے قیامت تک روحیں رہیں گی اب دیکھئے قرآن شریف میں اللہ پاک کیا فرماتے ہیں :۔

"یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو کہتا ہے کہ پروردگار مجھے واپس کردیجئے۔ امید ہے کہ میں اس زندگی میں جس کو چھوڑ آیا ہوں نیک عمل کروں۔ ہرگز نہیں یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہتا ہے اور ان کے آگے ایک برزخ ہے اس دن تک اٹھائے جانیکے دن تک"۔ (۲۳ : ۶)

مندرجہ بالا آیت ربانی سے برزخ کا وجود ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد سے ارواح قیامت تک عالم برزخ میں رہیں گی۔

انسان کی روحانی و جسمانی زندگی اور دیگر مخلوقات سے تقابل

عالم بالا (جنت) سے لباس جنت اتار کر آدم کے اس کرۂ ارض پر آنے کے بعد انسان کی زندگی کے دو پہلو ہو گئے (۱) روحانی (۲) جسمانی ـــ جسمانی حیثیت سے آدم کے عالم بالا سے اس کرۂ ارض پر آتے ہی آدم مکاں و زماں کی قید میں جسمانی اعتبار سے گرفتار اور تغیرات قبول کرنے پر مجبور ہو گیا۔ پہلے ہم انسان کی روحانی زندگی کا ذکر کرینگے۔ پھر جسمانی زندگی اور تغیرات کا۔

روح

روح کے تعلق سے اللہ پاک قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:

"(اے پیغمبر! یہ لوگ) تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔ تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا"۔ (پ۱۵ سورہ بنی اسرائیل رکوع ۱۰)

خلاق کائنات قادر المطلق کے حکم سے جو چیز بنام روح بنی ہے وہ اس قدر نایاب اور لاجواب ہے کہ یہ نہ لائق شکست ہے اور نہ فنا پذیر ـــ نور محمدی سے تخلیق پا کر عالم ارواح میں اور عالم ارواح سے جسم خاکی میں اور جسم خاکی سے عالم برزخ میں اور عالم برزخ سے پھر بروز حشر جسم خاکی میں۔ صور پھونکنے پر کچھ دیر کیلئے عالم بیخودی یا بیہوشی میں ـــ بہرحال روح جوہر انسان ہے اور روح کا طائر بقول علامہ

شکست سے یہ کبھی آشنا نہیں ہوتا ؎ نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا
جوہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں ؎ آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں

قبل اسکے کہ ہم روحانی زندگی پر بحث کریں۔ ہمیں مخلوقات قابل ذکر اور عالمین کا مختصر سا جائزہ لینا ہوگا۔

مخلوقات قابل ذکر

اللہ پاک کی ان گنت مخلوقات میں سے تین قابل ذکر مخلوقات جو عالمین پر اثر انداز ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

مخلوق نوری

وہ مخلوق جو نور سے پیدا کی گئی جسمیں ملائک شامل ہیں اور جن کے عالم کو عالم ملکوت یا عالم جبروت کہتے ہیں۔ اس نوری مخلوق سے گناہ کا سرزد ہونا ممکن ہی نہیں وہ جذبات سے یکسر عاری ہیں۔ یاد رہے کہ انسان کی رسائی اس عالم تک نہ صرف ممکن ہے بلکہ انسان اس عالم سے اور آگے نکل جاسکتا ہے۔ ملائک کو ہمیشہ عبادت و سجدہ ہی میسر رہتا ہے مگر انسان کی عبادت اور سجدہ کا مقام بقول علامہ اقبال بوجہ سوز و گداز اس قدر بلند ہوتا ہے کہ

پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا ؎ اسکو میسر نہیں سوز و گداز سجود

جب انسان مقام فقر پر پہنچ جاتا ہے تو اسکے انداز بقول علامہ ملوکانہ ہو جاتے ہیں کہ ؎

گو فقر بھی رکھتا ہے انداز ملوکانہ ؛ نا پختہ ہے پرویزی بے سلطنت پرویز

مخلوق ناری

وہ مخلوق جو آگ سے پیدا کی گئی جن میں اجنا شامل ہیں اور ابلیس اسی قبیل سے ہے جس سے نیکی کا سرزد ہونا ممکن ہی نہیں رہا۔ یہ ابن آدم کی زندگی کو مائل بہ شر کرنے کے لئے ہر وقت فتنے برپا کرتا رہتا ہے جیسا کہ بال جبرئیل میں علامہ اقبال لکھتے ہیں ابلیس جبرئیل امینؑ سے مخاطب ہو کر خود اپنے اور اپنے فتنوں کے بارے میں کہتا ہے۔

ہے میری جرأت سے مشت خاک میں ذوق نمو ؛ میرے فتنے جامۂ عقل و خرد کا تار و پو!
دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزم خیر و شر ؛ کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے؟ میں کہ تو
خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا ؛ میرے طوفاں یم بہ یم دریا بہ دریا جو بہ جو
گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے ؛ قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو
میں کھٹکتا ہوں دل یزداں میں کانٹے کی طرح ؛ تو فقط اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو!

مخلوق خاکی

مخلوق خاکی سے مراد آدم ہے جسکو خاک سے جیسا کہ تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے پیدا کیا گیا جو ایک انوکھی لچک کے ساتھ پیدا کی گئی مخلوق ہے جس سے نیکی کا سرزد ہونا بھی ممکن اور گناہ کا ارتکاب بھی ممکن اور جس کا تعلق روحانی اعتبار سے کئی عالمین سے ہے۔ بنی آدم جب نیکیوں کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو نوری مخلوق یعنی ملائک اسکے مقامات کی بلندیاں دیکھ کر حیران و پریشان ہو جاتے ہیں اور جب یہ خاکی بدی کی طرف مائل ہوتا ہے تو ابلیس کو بھی مات دے دیتا ہے بقول علامہ اقبال ابلیس پریشان ہو کر بارگاہ ایزدی میں یوں عرض کرتا ہے ؎

کہتا تھا عزازیل خداوند جہاں سے ؛ پرکالۂ آتش ہوئی آدم کی کف خاک
جان لاغر و تن فربہ و ملبوس بدن زیب ؛ دل نزع کی حالت میں خرد پختہ و چالاک
جمہور کے ابلیس ہیں ارباب سیاست ؛ باقی نہیں اب میری ضرورت تہ افلاک

علامہ اقبال خاکی نوری اور ناری مخلوق کے فرق کو یوں سمجھاتے ہیں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی ؛ یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

پس معلوم ہوا کہ انسان کی زندگی خیر و شر دونوں سے متاثر ہو سکتی ہے اب یہ اختیار اللہ پاک نے انسان کو دیا ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ کر خیر ہی خیر بن جائیں یا ابلیس کا دامن تھام کر شر ہی شر ہو جائے اگر انسان خیر ہی خیر ہو جائے تو اس عالم کے علاوہ اور کن کن عالمین سے تعلق ہو جاتا ہے اسکی تفصیل کیلئے ہم پہلے عالمین کی مختصر تفصیل بیان کرتے ہیں۔

عالم ارواح : وہ عالم جسمیں اللہ پاک نے قبل پیدائش تمام ارواح جو قیامت تک عالم وجود میں جسم کے ساتھ آنے والے تھے جمع فرمایا اور دریافت فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ ارواح نے جواب دیا ہاں آپ ہمارے رب ہیں ہم گواہ ہوئے۔

عالم بالا۔ عالم علوی
عالم قدس } بہشت کے اعلیٰ درجہ کے رہنے کی جگہ آسمانی دنیا جہاں اولاً آدمؑ و حواؑ کو رکھا گیا تھا)

عالم کرہ ارض (دنیا)
عالم صغریٰ (صغیر) ۱۔ دنیا ۔۲۔ آدمی کا جسم
عالم سفلی (دنیا - زمین)
عالم فانی (یہہ دنیا جو فنا ہونے والی ہے
عالم کون و فساد (موجود ہونا اور پھر تباہ ہوجانے کا عالم عالم بود نی نابودنی
عالم اسباب (یہہ دنیا جہاں ہر کام کا ایک سبب ہوتا ہے
عالم ناسوت (فانی دنیا)
عالم وجود (وجود میں آنے کا عالم' عالم ہستی

} وہ عالم جہاں حضرت آدمؑ حضرت حواؑ اور ابلیس کو پھل ممنوعہ کھانے کے بعد مدت معینہ گزارنے روانہ کیا گیا یعنی یہ دنیا جہاں اب ہم ہیں۔

عالم رویا : (خواب کا عالم) اس عالم میں انسان کسطرح پہنچ جاتا ہے تفصیل آگے آئے گی۔
عالم مثال : (اس جہاں سے زیادہ لطیف دنیا) جسمیں یہاں کی تمام چیزوں کا نمونہ یا اصل موجود ہے۔ خیالی دنیا۔ خواب ا۔

عالم ملکوت (فرشتوں کی دنیا)
عالم امر (عالم ملائکہ عالم ارواح یا روحوں کا جہاں جسمیں تول اور اندازہ کو دخل نہ ہو۔

| جب انسان خیر کی انتہا پہ ہوتا ہے تو بقول اقبالؒ مقام یہہ آجاتا ہے کہ
پہنچتے نہیں کنجشک و حمام اسکی نظر میں
جبرئیل و اسرافیل کا صیاد ہے مومن

بندہ مومن سرافیل کند ⁂ بانگ او ہر کہنہ را برہم زند
نہ کر تقلید اے جبرئیل میرے جذب و مستی کی ⁂ تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ

عالم جبروت (فرشتوں کی دنیا وہ مقام جو ستاروں سے بھی اوپر ہے۔

ابھی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا ⁂ کہ تیرے زماں و مکاں اور بھی ہیں
ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ⁂ ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

عالم لاہوت : (ذات الٰہی کا مقام جہاں سالک کو فنا فی اللہ حاصل ہوتا ہے) انسان انبیاء صدیقین شہدا کے روپ کے علاوہ صالحین کے روپ میں کبھی ولی کبھی مجذوب کبھی سالک فقیر درویش قلندر قطب ابدال غوث کے روپ میں عالم لاہوت کا طائر بن کر اس عالم سے نسبت پیدا کر لیتا ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

میں بندہ ناچیز ہوں مگر شکر ہے ترا ⁏ رکھتا ہوں نہاں خانہ لاہوت سے پیوند

حور و فرشتہ ہیں اسیر میرے تخیلات میں ⁏ میری نگاہ سے خلل تری تجلیات میں

عالم شہود : وہ عالم جس میں سب کچھ نظر آئے۔ تصوف کا وہ عالم (حالت جس میں ہر چیز کے اندر خدا کا جلوہ نظر آئے۔ مقام منصور کہ انا الحق زبان سے نکل جائے۔

عالم معنی : (وہ دنیا جو محسوس نہ ہو سکے۔ خدا کی ذات و صفات)

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور ⁏ موت کیا شئے ہے فقط عالم معنی کا سفر (اقبالؒ)

عالم ھُو : ۱۔ ظاہری طور پر سمجھنے کے لئے قبرستان یا وہ سنسان جنگل یا صحرا جہاں ہُو کا عالم نظر آئے۔

۲۔ اللہ ھو کی وہ منزل آجائے کہ انسان فنا فی ہو کر ہو جائے اور ایسے زمانہ میں داخل ہو جائے جہاں ؎

ترے شب و روز کی اور حقیقت کیا ہے ⁏ ایک زمانہ کی رو جس میں دن ہے نہ رات (اقبالؒ)

۳۔ صور پھونکے جانے کے بعد جب کوئی ذی روح باقی نہ رہے نہ آسمان نہ عالمین بلکہ ہُو کا عالم ہو جائے گویا ؎

زندگی سے تھا کبھی معمور اب سنسان ہے ⁏ یہ خموشی اس کے ہنگاموں کا گورستان ہے (اقبالؒ)

عالم برزخ : تفصیل آگے آئیگی۔

عالم آخرت یا عالم جاوید } (دنیا جو بے زوال ہو۔ اگلا جہان، جہانِ آخرت، عقبیٰ)

وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات ⁏ جلوہ گاہیں اسکی ہیں لاکھوں جہان بے ثبات

مختلف ہر منزل کی رسم و راہ ہے ⁏ آخرت بھی زندگی کی ایک جولان گاہ ہے

ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے ⁏ ساز گار آب و ہوا تخم عمل کے واسطے

(اقبالؒ)

انسان کی روح کی پرواز اور اس میں جسم کا حصہ

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے انسان کی روح دائمی حیات کی مالک ہے لیکن یہ روح کا طائر جسم خاکی کے پنجرہ میں عارضی طور پر ایک خاص مدت کے لئے اس دنیا میں مقید کیا جاتا ہے اور یہ مدت بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ چند اصول کے تحت اس طائر روح کی پرواز ناقابل قیاس حد تک ایسی بلند ہو جاتی ہے کہ وہ عالم امر ملکوت عالم جبروت کو پار کر کے عالم شہود عالم مثال اور عالم لاہوت کا طائر بن جاتا ہے۔ مگر یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ روح کی پرواز کیلئے جسم کے دخل کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ روح کی پرواز کا دارومدار قلب کی جلا کسب حلال اور احکام خداوندی میں مضمر ہے بقول علامہ اقبال ۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

میرے پیر و مرشد محدث دکن ابوالحسنات سید شاہ عبداللہ صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے علاج السالکین کی کتاب میں اس مسئلہ پر خاطر خواہ روشنی ڈالی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائب پیران کبار کو قلب کے طبیب بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کے قدم بہ قدم چل کر قلب کی بیماریوں سے شفا ممکن ہے اور تفصیلی طریقے بھی ذریعہ ذکر درج فرمائے ہیں حدیث شریف کے لحاظ سے جو ذکر الہٰی سے غافل ہے وہ مردہ ہے اور جو ذکر الہٰی میں مشغول ہے وہ زندہ ہے۔ دل کی بیماریوں کی ابتداء اللہ پاک کی نافرمانیوں سے ہوتی ہے اور نفس امارہ کا غلبہ قلب کو بیمار کر دیتا ہے جس طرح ایک تنگ و تاریک گندہ مکان میں رہنے والا مکین بیمار ہو جاتا اور ہمیشہ بیمار رہتا ہے اسی طرح جس جسم میں ایک بیمار قلب ہوگا گندگی ہوگی اس جسم میں قیام پذیر روح بھی بیمار اور کمزور رہے گی حضرت قبلہ محدث دکن علیہ الرحمہ کی کتاب علاج السالکین کا مطالعہ قلبی امراض کو دور کرنے اور روح کو طاقتور بنا کر اسے پرواز کی طاقت بخشنے اکسیر ثابت ہوگا بشرطیکہ بعد مطالعہ عمل بھی ہو۔

مرد خدا اور مرد مومن کی پہچان یہی ہوتی ہے کہ اس کے جسم میں ایک صحت مند

قلب ہوتا ہے اور روح بیمار اور کمزور نہیں بلکہ صحت مند قوی طاقتور بلند پرواز کی حامل ہوتی ہے۔ بقول علامہ اقبال اسکی قوت ایمانی اسکو آواز دیتی ہے ۔

تو خاک کی مٹھی ہے اجزا کی حرارت سے
برہم ہو، پریشاں ہو، وسعت میں بیاباں ہو

اب ہم دوسری طرف چلتے ہیں۔ مردِ مومن اپنے روحانی منازل طے کرتا اپنی حسب حیثیت مطابق ظرف بڑھتا ہے کبھی رک جاتا ہے تو مجذوب کے مقام پر نظر آتا ہے کبھی آگے بڑھکر مجذوب سالک کے مقام پر نظر آتا ہے کبھی قطب وقت کی شان لئے کبھی ابدال کا روپ لئے کبھی غوث کا مقام لئے نمودار ہوتا ہے۔ کبھی عرفان کی منزلیں طے کرکے عارف بن جاتا ہے کبھی فقر کی منزل پر فائز نظر آتا ہے کبھی ترک ترک کرکے کمال عرفان اور معراج فقر فقیری پر اس آن و شان کے شان کے ساتھ نظر آتا ہے کہ ۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ انکو ؛ ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

کبھی قلندری کا روپ لئے احترام شریعت بجا لاتے ہوئے ہونٹوں کو بند کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بقول اقبال یہ کہتا ہے ۔

شریعت کیوں گریباں گیر ہو ذوقِ تکلم کی ؛ چھپا جاتا ہوں اپنے دل کا مطلب استعاروں میں

پھر احترام شریعت میں یہ انداز اختیار کرلیتا ہے کہ :۔

پیراہن جنوں سے تنِ عشق ڈھک لیا ؛ یہ اک طریق خاص ہے اخفائے راز کا

جیسا کہ "تذکرہ غوثیہ" میں قلندر غوث علی شاہ کی زبان میں کہا گیا ہے کہ "فقیری ایک بات ہے کان میں کہنے کی"۔ بہرحال فقیری اور قلندری کے ابتدائی مرحلوں پر جنون سا مائل اسے بقول علامہ اقبال اس طرح مائل بہ شکوہ بھی کردیتی ہیں۔

تری خدائی سے ہے میرے جنوں کو گلہ ؛ اپنے لئے لامکاں میرے لئے چار سو !

پھر وہ علامہ اقبال کی زبان میں اللہ پاک سے کہتا ہی جاتا ہے ۔

یہ جنت مبارک رہے زاہدوں کو ؛ کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں
ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ اتنا ؛ وہی لن ترانی سنا چاہتا ہوں

پھر وہ منزلِ آخر آتی ہے کہ طائر لاہوت بن کر منزل مقصود تک پہنچ ہی جاتا ہے۔ ترک مولا کی منزل پر پہنچ کر شمس تبریز اور منصور کے روپ میں قسم باذنی اور انا الحق کے نعرے لگاتا ہے۔

یعنی بقول اقبال ۔

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا ؛ کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر
ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق ؛ یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق
یہ ہے خلاصہ علم قلندری کہ حیات ؛ خدنگ جستہ ہے لیکن کماں سے دور نہیں

کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر" مگر اس کا انجام بھی علامہ اقبال فرماتے ہیں
عشق کا دعویٰ ظاہری موت سے ہمکنار کر دیتا ہے تو دنیا والوں کی زبان میں :

منصور کو ہوا لب گویا پیام موت ؛ اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی

یہ سب منزلیں بقول علامہ اقبال قلندر پر اسلئے آتی ہیں کہ ع
قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا

آخر قلندری کے اس اعلیٰ ناقابل قیاس بلند مقام پر انسان ترک ترک کو پہنچ جاتا ہے جس کے بارے میں حضرت بو علی شاہ قلندرؒ فرماتے ہیں ۔

سر برہنہ نیستم دارم کلاہ چار ترک ؛ ترک دنیا ترک عقبیٰ ترک مولا ترک ترک

انسان جب عشق کے پر لگا کر جب اڑتا ہے تو ترک دنیا ترک عقبیٰ ترک مولا کی منزل قلندر کے لئے عالم لاہوت کی منزل ہوتی ہے ۔ عالم لاہوت پہنچ جانے پر پھر مولا کو طلب کرنے کا سوال ہی کب باقی رہ جاتا ہے اب اس کے لئے طلب کرنے باقی ہی کیا ہے جو اسے نہیں ملا لہذا وہ ترک ترک کی انتہائی بلند عالم میں ہوتا ہے ۔ انسان کے لئے صرف یہی ایک دنیا نہیں ہے جسمیں وہ نظر آتا اور رہتا ہے ۔ اسکو الجھ کر یہیں نہیں رہ جاتا ہے بلکہ اس عالم سے نکل کر کئی عالمین سے گزر کر عالم لاہوت تک اسکو پہونچنا ہے علامہ اقبال یوں سمجھاتے ہیں ۔

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا ؛ کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں
ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ؛ ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں ؛ یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر ؛ چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا ؛ ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

ان باتوں کو سمجھنے کے لئے اس حدیث شریف کو جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے گو دل میں

بسانا اور آنکھوں سے لگانا ہوگا۔

(قال حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعائین فاما احدھما فبثثتہ فیکم واما الاخر فلو بثثتہ قطع ھذا لعلوم یعنی مجری الطعام رواہ البخاری)

یعنی حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو تھیلیاں (علم) یاد کیں۔ ایک کو میں نے تم میں پھیلا دیا اور اگر میں دوسری کو تم میں پھیلاؤں تو میری رگ گردن کاٹ دی جائے۔ پس معلوم ہوگیا کہ عرفان کی منزلیں درویشی فقیری قلندری بڑے ضبط کی منزلیں ہوتی ہیں مگر ہوتی ہیں بڑی بلند و بالا۔ اور یہی وہ منزلیں ہوتی ہیں جبکہ ایک مردِ مومن یہ منازل طے کرلیتا ہے تو علامہ اقبال حقیقت حال کا یوں انکشاف کرتے ہیں۔

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث ٭ مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی ٭ میرے کلام پہ حجت ہے نکتہ لولاک

بعض ناسمجھ لوگ کہتے ہیں کہ علامہ اقبال کا مردِ مومن ایک خیالی مردِ مومن ہے جو اس زمین پر زندگی گزارنے آیا ہی نہیں اس سلسلہ میں ہم تاریخ اسلام کا ایک ناقابل انکار واقعہ پیش کرتے ہیں مکہ فتح ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے نیچے کے سب بت توڑ دیئے اور جو بت اونچائی پر تھے حضرت علیؓ نے معروضہ کیا "یا رسول اللہ صلعم! میرے کندھوں پر سوار ہوکر بت اونچائی کے توڑ دیجئے" رسول خدا صلعم نے فرمایا "علیؓ! تم نبوت کا بوجھ نہ اٹھا سکوگے۔ تم میرے کندھوں پر سوار ہوجاؤ اور بت توڑ دو" بہرحال آقائے نامدار صلعم کو ایک مقامِ اعلیٰ حضرت علیؓ کو بخشنا تھا اگر حضرت علیؓ کے لئے ادب مانع ہوا لیکن حکم فوقیت رکھتا تھا تعمیل حکم میں حضرت علیؓ دوشِ نبوت پر کھڑے بت توڑنے میں مصروف ہوگئے۔ لب ہائے رسالت مآب صلعم تبسم ریز ہوئے آواز دی "علیؓ!" حضرت علیؓ نے جواب دیا "یا رسول اللہ!" نبی برحق صلعم نے پوچھا "علیؓ! تم کیا دیکھ رہے ہو؟" حضرت علیؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس وقت میں دیکھ رہا ہوں کہ کائنات میرے دستِ قدرت میں ہے۔ میں جس چیز کو چاہتا ہوں بآسانی لے سکتا ہوں"۔ پھر حضرت علیؓ جب بتوں کے توڑنے کے کام سے فارغ ہوکر دوشِ نبوت سے نیچے اترے تو حیرت سے فرمایا "میں اس قدر بلندی سے نیچے آیا مجھے نہ کوئی مار نہ چوٹ نہ زخم" آقائے صلعم نے فرمایا

اے علیؓ! تمہیں کوئی نقصان کیسے پہنچا جبکہ محمدؐ نے تمہیں اٹھایا اور جبرئیلؑ نے بہ انداز ادب احتیاط سے تمہیں اتارا۔"

شاہان دنیا کی جانب سے جب کوئی مقام وعطیہ عطا کیا جاتا ہے تو واپس نہیں لیا جاتا کیا مقام عطا کردہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کے لئے دائمی نہیں ہوگیا؟ بہرحال اللہ کے رسول صلعم نے بعد تربیت ایسے مقامات اپنے کئی غلاموں کو عطا فرما دیئے۔ علامہ اقبال کے مندرجہ بالا اشعار حقیقت پر مبنی ہے کہ نہیں؟ اب آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے اسلئے علامہ اقبال اس دنیا میں رہنے والے مرد مومن کو نصیحت کرتے ہیں :-

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا ؛ کہ ترے زماں و مکاں اور بھی ہیں

اب مقام اعلیٰ ایک عبد اعلیٰ کا کیا ہے وہ بھی ملاحظہ طلب ہے ۔ جس سے انسان کا افضل ملائکہ اور تمام مخلوقات سے افضل ہونا اور اسکی زندگی کا مقصد اعلیٰ کا اظہار ہوتا ہے اور یہ واقعہ ہے شب معراج کا جو ظاہر کرتا ہے کہ عبد اعلیٰ کا وہ مقام ہوتا ہے کہ آن کی آن میں مکان و زماں کی زنجیریں توڑ عالم صغری عالم سفلی عالم اسباب عالم کون وفساد کو قدموں تلے روندتا عالم جبروت عالم امر عالم غیب عالم مثال کو بجلی کی تیزی سے بھی زائد تیزی سے طے کرتا اوران پر ایک نظر غلط ڈالتا مقام اعلی یعنی عالم لاہوت پھر کرسی تک اپنے جسم مبارک کے ساتھ پہنچ جاتا ہے جہاں خالق اور مخلوق میں فاصلہ ہی نہیں رہ جاتا ۔ نور ابدی نور اولیں سے قوسین کی طرح محو ملاقات ہوجاتے ہیں ۔ یہ ایک امر مسلمہ ہے اور تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اس دنیا میں خدا کا دیدار ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت موسیٰ کا اصرار " ارنی " اللہ پاک کا جواب "لن ترانی" مگر تکرار " ارنی " ۔ جواب میں تجلی کی ہلکی سی جھلک ۔ موسیٰ کی بیہوشی ۔ کوہ طور کا انجام پھر چہرہ موسیٰ پر نقاب کہ راست بلا نقاب جس نے چہرہ موسیٰ دیکھا اندھا ہوگیا لہذا نقاب بہ چہرہ پہننا ضروری ہوگیا کہ حضرت موسیٰ تجلی الٰہی اپنے میں اتار نہ سکے اب دیکھئے عبد اعلیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم کہ جب تجلی و دیدار اس دنیا میں ممکن نہ نظر آئی تو عالم بالا عالم مثال لاہوت وغیرہ کو طے کر یہ عبد اعلیٰ عالم لاہوت ہی نہیں کرسی تک پہنچ کر مصروف ملاقات ذات باری ہے وہ بھی تجلی کامل میں محو ہو کر۔ طرف بھی وہ طرف کہ اللہ اکبر۔ تجلی کامل سما گئی اس نور اولین میں مگر جنبش کا نام نہیں

علامہ اقبال بانگ درا میں نقشہ یوں اس واقعہ کا کھینچتے ہیں کہ :-

عبد اعلیٰ و مقام اعلیٰ و تجلّی کامل بصورت معراج مصطفےٰ صلعم

ہر ذرۂ جہاں میں ذکر حبیب خدا ہے آج ؛ ہر ذرے کی زباں پر صلِّ علیٰ ہے آج
معراج مصطفےٰ سے کھلا عقدہ حیات ؛ روح نبی میں جلوہ ربِّ خدا ہے آج
"قوسین" میں ثبوت ہے اس جذب و شوق کا ؛ ہر لمحہ ذکر و فکر میں درس بقا ہے آج
وہ بزم ناز وہ گل و بلبل کی خلوتیں ؛ الفت میں امتیاز من و تو فنا ہے آج
اک جست ہی میں طے ہیں دو عالم کی وسعتیں ؛ اور رشتہ زماں و مکاں کٹ گیا آج
طائر حریم قدس کے سب نغمہ سنج ہیں ؛ روح الامیں بھی شوق میں مدحت سرا ہیں آج
جو منتظر ازل سے تھا اس کے قدوم کا ؛ پھر نبی وہ گنبد بے در کھلا ہے آج
حوریں خوشی سے آمدید پکاریں بہشت میں ؛ از فرش تا بہ عرش صدا مرحبا ہے آج
یہ رات وہ ہے جس پہ کرے رشک دن کا نور ؛ سایۂ ہر ایک سایۂ بال ہما ہے آج
عشق نبی میں قبلہ نما سے ہوں بے نیاز ؛ نُور یقین سے قلب ہی قبلہ نما ہے آج
اقبال آ کر پھیر اسی چوکھٹ پہ جھک پڑیں ؛ آغوش رحمت اس کی اس طرح وا ہے آج

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام بہت اعلیٰ ہے مگر جہاں تک معراج مصطفےٰ صلعم کا تعلق ہے علامہ فرماتے ہیں :-

اڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پہ کلیم ؛ طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی

پھر رسول اللہ صلعم کے اللہ پاک کے دیدار کرنے کا انداز علامہ اقبال بیان کرتے ہیں کہ دیدار الٰہی میں پلک تک نہیں جھپکی۔

نظارے کو جنبش مژگاں بھی بار ہے ؛ نرگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی

اللہ عاشق محمدؐ۔ محمدؐ عاشق اللہ۔ محمدؐ کی نظر میں اللہ انتہائے حسن اور اللہ کی نظر میں محمدؐ انتہائے حسن یعنی نُور ابدی اور نُور اولیں کی ملاقات اور دیدار طرفین گویا ایک دوسرے کو کہہ رہے ہیں۔

میں انتہائے عشق ہوں تو انتہائے حُسن ؛ دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

دیدار الٰہی کا جہاں تک تعلق ہے مقامات موسیٰ اور مقامات محمدؐ قابل غور ہیں۔ مقامات موسیٰ اعلیٰ و برتر مقامات محمدؐ ناقابل قیاس موسیٰ کو حق تھا دیدار کے لئے اللہ سے تقاضا نے کا ارنی کی تکرار کا مگر جہاں تک ہمارا سوال ہے علامہ کہتے ہیں۔

تھا ارنی گو کلیمؑ میں ارنی گو نہیں ؛ اس کو تقاضا روا مجھ پر تقاضا حرام!

مگر غلامان محمدؐ نے اپنے نبی محترم صلعم کے توسط سے وہ وہ مقامات صالحین پائے ہیں کہ اسی کرۂ ارض پر رہ کر ولی قطب ابدال غوث فقیر درویش قلندر کے روپ میں ان کی عالم لاہوت تک پہنچ ہو گئی تو صدیقین و شہدا کے مقامات اعلیٰ کا تو ذکر ہی کیا جو بعد از مقام انبیاؑ ہیں۔

خوب کہا علامہ اقبال نے :-

فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشۂ چالاک ؛ رکھتی ہے مگر طاقت پرواز میری خاک!
وہ خاک کہ ہے جس کا جنوں صیقل ادراک ؛ وہ خاک کہ جبرئیل کی ہے جس سے قبا چاک!
وہ خاک کہ پروائے نشیمن نہیں رکھتی ؛ چنتی نہیں پہنائے چمن سے خس و خاشاک!
اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو ؛ کرتی ہے چمک جن کی ستاروں کو عرقناک!

انسان کی روح کی پیدائش اسکی حیات اور اسکی پرواز کن کن عالمین میں ہے مختصر ہی سہی بیان کر دی گئی۔ آدم اور ابن آدم کے ان مقامات اعلیٰ سے ملائک واقف نہ تھے اسی لئے اللہ پاک نے فرمایا تھا کہ تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں"۔ اب عالم رویا پر قدرے روشنی ڈالیں گے۔

عالم رویا یعنی نیند و خواب کی دنیا اور نیند اور موت میں فرق

ہم نے عالمین اور روح کی ان عالمین تک پرواز و پہنچ کے تعلق سے مختصر سی بحث کی اب عالم رویا پر مختصر سی روشنی ڈالنے کے بعد انسانی جسم کی پیدائش اور اسکی حیات و ممات کی جانب پلٹ جائیں گے۔

عالم رویا وہ عالم ہے جس کا اس کرۂ ارض پر رہنے والے انسان کا سابقہ رہتا ہے۔ یہ تو عام فہم بات ہے کہ روح اور جسم کے باہمی تعلق کا ختم ہو جانا یعنی جسم سے روح کے نکل جانے کو عام طور پر موت کہتے ہیں۔ نیند میں بھی روح جسم سے نکل جاتی ہے تو اسکی کیا نوعیت ہوتی ہے قابل غور ہے پہلے ہم قرآن حکیم سورہ زمر (پارہ ۲۴ ع ۵) سے رہبری حاصل کرینگے۔

"اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت یعنی روح قبض کرتا ہے اور اور ان کی جن کی موت نہیں آتی ان کی سوتے وقت روح قبض کرتا ہے۔ پھر جس پر موت کا حکم فرما دیا ان کی روح روک رکھتا ہے یعنی اس جان (روح) کو اس کے جسم کی طرف واپس نہیں کرتا دوسری جان (روح) جن کی موت نہیں آئی واپس کر دیتا ہے اس کی موت کے وقت تک۔ بیشک اسمیں ضرور نشانیاں ہیں سوچنے والوں کے لئے"۔

اب سورہ الانعام (پارہ ۶ ع) کی یہ آیت مبین لائق تلاوت ہے بغرض رہنمائی کامل۔
"اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کماؤ، پھر دن میں اٹھاتا ہے کہ ٹھہرائی ہوئی میعاد پوری ہو پھر اسی کی طرف پھرنا ہے"۔

مندرجہ بالا آیات قرآنی سے نیند اور موت کا قریبی فاصلہ سمجھ میں آگیا کہ نیند موت کی چھوٹی بہن ہے موت اور نیند ہر دو صورتوں میں روح جسم سے نکال لی جاتی ہے مگر فرق اس قدر کہ موت آنے پر روح پھر جسم میں واپس نہیں کیجاتی مگر نیند کی صورت میں روح واپس کر دی جاتی ہے۔ حضرت حذیفہ رضؓ سے روایت ہے کہ آقائے نامدار صلعم جب بستر پہ لیٹتے تو یوں فرماتے " اے اللہ! تجھ ہی سے میری زندگی بھی ہے اور موت بھی" اور جب آقائے دوجہاں صلعم سوکر اٹھتے تو فرماتے "تعریف و حمد اس اللہ پاک کے لیے جس نے ہم پر موت طاری کی اور پھر اسکے بعد زندگی عطا فرمائی اور مرنے کے بعد پھر دوبارہ اٹھ کر اسی دربار میں حاضر ہونا ہے (بخاری اور مسلم)

اب قابلِ غور نقطہ یہ ہے کہ موت کی صورت میں جسم کا تمام اعصابی نظام ختم ہو کر رہ جاتا ہے اور بحالت نیند اس نظام میں کوئی خلل نہیں آتا۔ حرکت قلب۔ خون کی روانی۔ ہاضمہ کا نظام سانس کی آمد و رفت برابر باقی رہتے ہیں۔ قوت حس سے انسان بحالت نیند بالکل محروم نہیں ہو جاتا۔ آواز دینے پر کسی غیر معمولی واقعہ کے پیش آنے پر مثلاً جسم کو کسی تکلیف کے پہنچنے پر انسان بیدار ہو جاتا ہے۔ حالت نیند میں گرمی ہو تو پسینہ بھی آتا ہے تو پھر موت اور بوقت نیند روح کے قبض کئے جانے میں کیا فرق ہے۔ بحالت بے ہوشی تو جسم کو کاٹا بھی جاتا ہے تو احساس نہیں ہوتا۔ مدہوشی بے ہوشی غشی سب نیند ہی کی بڑی اور چھوٹی بہنیں ہیں ان تمام میں سانس جاری قلب کی حرکت باقی اعصابی نظام برقرار رہتا ہے۔ اس سلسلہ میں علم کے شہر کے دروازے حضرت علیؓ کے ایک قول سے اس مسئلہ پر دیکھیے کس قدر روشنی پڑتی ہے فرمایا حضرت علیؓ نے " نیند کے آتے ہی انسان کی روح اسکے بدن سے نکال لی جاتی ہے مگر ایک شعاع روح کی بدن میں چھوڑ دی جاتی ہے جسکی بناء پر وہ زندگی کے علامات سے محروم نہیں ہوتا بلکہ زندہ رہتا ہے اور اس شعاع کے ربط سے خواب بھی نظر آتے ہیں پھر خواب کے تعلق سے ارشاد فرمایا کہ روح اگر خواب دیکھتے وقت عالم مثال کی طرف متوجہ رہی تو وہ سچا خواب ہے اور عالم مثال سے بدن کی جانب واپس ہوتے ہوئے خواب دیکھا گیا تو خواب میں شیطانی تصرفات کو دخل ہوتا ہے اور خواب رویائی صادقہ نہیں رہتا اور مزید فرمایا انسان کی روح بصورت نیند جسم سے نکلتی ہے تو بیدار ہوتے وقت آنکھ جھپکنے سے بھی کم وقت میں بدن میں لوٹ آتی ہے۔

یہہ چیز ہمیں یاد رکھنی چاہیئے کہ صاحب دل اور اولیا کے خواب بمنزل الہام اور انبیاءؑ کے خواب
تے ہیں جیساکہ یوسف علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خوابوں کی تعبیریں سامنے آتی
لامہ اقبالؔ اجل اور نیند کے تعلق سے فرماتے ہیں ؎

ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں ؛ جسطرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

ر اور موت میں فرق
ح علوی و سفلی

نیند سے انسان بار بار بیدار ہوتا ہے یعنی روح بار بار نیند کے آنے پر جسم چھوڑتی اور بیداری پر جسم میں داخل ہوجاتی ہے لیکن بصورت موت جب روح جسم سے نکلتی ہے تو صرف روز قیامت ہی جسم میں داخل ہوتی ہے

بعد دائمی زندگی عالم بالا میں اسے حاصل ہوتی ہے۔
حضرت علیؓ کے قول مبارک کی رو سے کہ سوتے وقت انسان کی روح اس کے بدن سے نکل جاتی
یک شعاع روح کی بدن میں رہتی جس سے وہ زندہ رہتا ہے۔ ان دو ارواح کے نام دیئے
ا : (۱) روح علوی (۲) روحِ سفلی۔
روحِ علوی بحالت نیند عالم بالا کی سیر کے لئے چلی جاتی ہے اور روح سفلی بحالت نیند بیہوشی
ں رہتی ہے جس سے نظام اعصابی برابر اپنا کام کرتا اور انسان زندہ رہتا ہے۔ موت کی صورت
ں ارواح جسم سے نکل جاتے ہیں تو اعصابی نظام ختم ہوکر رہ جاتا ہے۔ روحِ علوی تو عالم برزخ
یاتی ہے اور روح سفلی کے تعلق سے مختلف چیزیں ہیں کہ اگر انسان نے بحالت سکون و ایمان
تو اسکی روح سفلی بھی مطمئن رہتی ہے اور اگر سکون اور ایمان کی حالت میں نہیں بلکہ عالم انتشار
نیاتِ دنیوی میں مبتلا رہ کر دم توڑا تو اسکی روحِ سفلی شیطان بن کر بھٹکتی ہے۔ زندہ لوگوں
لتی ہے۔ عامل اس روح سے کام لیتے اور اسکو شیشہ میں بند کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں حتیٰ کہ
ح سفلی کسی انسان کے جسم میں داخل ہوکر تکلیفیں دیتی ہے یہہ ایک مستقل تماشا ہے کہ عاملِ
ںا توں کے جسم پر اجنا شیاطین اور ارواحِ بد کے آنے کا اعلان دعویٰ کرتے ہیں کبھی درگاہو
ہ سماں و تماشے دیکھنے میں آتے ہیں بہرحال عامل اور [illegible] بن آتی ہے۔ یہہ مستقل عنوان
ب نہیں ایک کتاب کا محتاج ہے ہم یہاں یہہ کہتے ہوئے اس عنوان کو ختم کرتے ہیں کہ انسان
وقت سکون و ایمان کی خواہش کرنی چاہیئے اور کافر کے انداز سے نہیں بلکہ مرد مومن کے
ے دم توڑنا چاہیئے۔ کافر اور مومن کی تعریف علامہ اقبالؔ نے یوں کی ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے ٭ مومن کی یہہ پہچان کہ گم اسمیں ہیں آفاق

انسان کے جسم کی پیدائش اور اسکی موت اس کرہ ارض پر

حضرت آدم کے جسم کو مٹی سے پیدا کر کے جسم اور روح کے ملاپ کے بعد جنت اللہ تعالیٰ نے بغرض رہائش عطا فرمائی جس کا ذکر کیا جا چکا ہے جنت کی تمام دل فریبیاں قلب آدمؑ کو لبھا نہ سکیں اپنے ہم جنس کے وجود کی کمی نے سکون سے محروم و مضطرب رکھا تو اللہ پاک نے ان پر غشی و غنودگی طاری فرما کر پسلی سے حضرت حواؑ کو عالم وجود میں لایا جس سے آپ کو فرحت و سکون قلبی حاصل ہوا۔ پھر ایک وقت آیا کہ پھل ممنوعہ کھا کر حواؑ اور آدمؑ لباس جنت سے محروم ہو کر اس زمین پر آرہے۔ پھر آدم کی توبہ قبول اور آپ کو خلافت الہیہ کا منصب اس کرہ ارض پر عطا ہوا۔ چونکہ یہہ کرہ ارض یہہ دنیا عالم اسباب ہے اسکے لئے اللہ پاک نے تخلیق ابن آدم کے لئے مرد و عورت کے باہمی ملاپ یعنی جنسی جماع، ہم بستری مجامعت کو تخلیق ابن آدم کا سبب بنایا جیسا کہ قرآن حکیم پارہ ۴ سورہ النساء آیت ایک میں اللہ پاک فرماتے ہیں " اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان (آدم) سے پیدا کیا اور اسی میں سے اسکا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت پھیلا دیئے" پھر پارہ (۲۶) سورہ حجرات آیت (۱۳) میں فرماتے ہیں " اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شاخیں (قومیں) اور قبیلے بنایا کہ آپس میں پہچان رکھ سکو"۔ پھر پارہ ۲ سورہ بقرہ آیت (۲۲۳) میں فرماتے ہیں :-

" تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں جاؤ اپنی کھیتوں میں جس طرح چاہو اور اپنے نیک کام و عمل آگے روانہ کرو"

اللہ پاک نے اس عالم میں ایک ہی لمحہ میں " کن " کہکر تخلیق کرنے کے اصول کو اسباب کے تحت کر دیا اور مرد اور عورت کی مجامعت و ہم بستری اور ایک مدت نو ماہ کی، انسان کی تخلیق کیلئے ضروری قرار دی اور تخلیق میں در پردہ اپنا ہاتھ رکھا چونکہ اس عالم اسباب میں بھی اللہ کی ذات مسبب الاسباب ہے اسلئے اس نے تخلیق کے سلئے سبب ظاہر فرما کر در پردہ اپنی صفت و کاریگری کے شاہکار دکھائے مگر پھر بھی اللہ پاک نے یہہ بتلانے کے لئے کہ وہ بالکل اسباب کے ہی پابند نہیں ہیں بلکہ قدرت بالغہ کے حامل ہیں اور اسباب کو توڑ بھی سکتے ہیں چند مثالیں انسان کو پیدا کرنے کی اسباب سے ہٹ کر بھی ظاہر فرمادی کہ ضعیفی میں جب مرد کمزور ہو جاتے اور عورت کے

حیض بھی ضعیف ہونے پر بند ہو کر اولاد کو جنم دینے کے قابل نہ رہے یا عورت بانجھ ہو تو بھی وہ ان ضعیفوں کو باہم ملا کر بچے کی تخلیق فرما سکتے ہیں اور نصف سبب کو بھی ہٹا کر صرف نصف سبب کو بھی باقی رکھکر آدم کی تخلیق فرما سکتے ہیں یعنی باپ کے بغیر صرف ماں سے ہی انسان کو پیدا فرما سکتے ہیں۔ بغیر ماں باپ کے تخلیق کے کرشمے تو حضرت آدمؑ و حواؑ کو پیدا کر کے دکھا ہی دیئے تھے اب مندرجہ بالا کرشمے دیکھئے ملاحظہ ہو قرآن حکیم سورت (۳) پارہ (۳) سورہ آل عمران کہ "ذکریاؑ نے کہا اے رب میرے لڑکا کہاں سے ہوگا میں تو بہت بوڑھا ضعیف ہو چکا اور میری بیوی بانجھ ہے۔ فرمایا اللہ یوں ہی کرتا ہے جو چاہے ہے۔ بیشک اللہ آپ کو مژدہ دیتا ہے یحییٰ کا جو اللہ کی طرف کے کلمہ کی تصدیق کریگا اور سردار ہمیشہ کے لئے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاصوں میں سے"

سورہ آل عمران میں اور آگے پڑھئے۔

"جب فرشتوں نے مریم سے کہا اے مریم! اللہ تجھے بشارت دیتا ہے اپنے پاس سے ایک کلمہ کی جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ مریم نے کہا اے میرے رب بچہ کہاں سے ہوگا۔ مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ نہ لگایا فرمایا اللہ یوں ہی پیدا کرتا ہے جو چاہے ہے جب کسی کام کا حکم فرمائے تو اس سے یہی کہتا ہے کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے"

تخلیق آدم کا اللہ پاک کا طریقہ آپ نے دیکھ لیا کہ عالم بالا میں حضرت آدمؑ و حواؑ بغیر ماں اور باپ کے پیدا کئے گئے اس عالم اسباب میں جب ذکریا علیہ السلام کو بوجہ اپنی اور اپنی بیوی کی ضعیفی کے اللہ نے ملایا اور حضرت یحییٰ فرزند عطا فرمایا پھر حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ اب اس دنیا میں مرد اور عورت کے مجامعت سے مرد کا نطفہ (منی) عورت کے رحم (بچہ دانی) میں جانے کے بعد انسان کو اَحْسَنُ الخَالِقِین کس طرح پیدا فرماتا ہے از روئے قرآن حکیم ملاحظہ فرمائیے۔

"اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنا دیا پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے (اسمیں روح ڈال کر) اسکو ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا دیا سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے (پارہ ۱۸ سورہ المومنون ع ۱)

پھر سورہ یٰسٓ میں فرماتے ہیں : "اور کیا آدمی نے نہ دیکھا کہ ہم نے اسے پانی کی بوند (منی نطفہ) سے بنایا" ع۵۔

پھر پارہ (۲۷) النجم میں فرماتے ہیں :

"تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں حمل تھے (ع۲)

"بیشک تمہارے رب کی طرف انتہا ہے اور وہی ہے جس نے ہنسایا اور رلایا اور یہ کہ وہی ہے جس نے مارا اور جلایا اور یہ کہ اسی نے دو جوڑے بنائے نر اور مادہ نطفہ سے جب ڈالا جائے اور یہ کہ اسی کے ذمہ ہے پچھلا اٹھانا ۔ (پارہ ۲۷ ۔ ع۳)۔

"کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہ کیا اور پہاڑوں کو میخیں اور تمہیں جوڑا (یعنی مرد اور عورت بنایا" (پارہ ۳۰ سورہ النبأ رکوع ۲)

"کیا تو اس کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے بنایا پھر تجھے نطفہ سے صحیح و سالم آدمی بنایا" (پارہ ۱۵ سورہ کہف)

اے لوگو ! اگر تم دوبارہ زندہ ہونے سے شک میں ہو تو ہم نے تم کو مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر بوٹی سے کہ پوری ہوتی ہے اور ادھوری بھی تاکہ تمہارے سامنے ظاہر کردیں اور ہم رحم میں جس کو چاہتے ہیں ایک مدت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر ہم تم کو بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں تاکہ اپنی بھری جوانی تک پہنچ جاؤ (پارہ ۱۷ سورہ حج ۲۲ ۔ رکوع ۷)

قرآن حکیم نے انسان کی پیدائش پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور سب جانتے ہیں کہ اللہ پاک نے ماں کے پیٹ میں انسان کو ایک صورت دی ۔ ماں کے حیض کو اسکی نشو ونما کا ذریعہ بنایا پھر نو ماہ میں ایک مکمل نظام اعصابی مکمل کیا پھر ماں کی غذا سے اسے غذا پہنچائی وہ ماں کے پیٹ ہی میں تھا کہ ماں کے پستانوں میں دودھ دے دیا کہ اس کے پیدا ہونے کے بعد اس کی پرورش کا سبب بن سکے جس کسی کو اللہ نے چاہا ماں کے پیٹ ہی میں ذریعہ اسقاط حمل دنیا میں آنے سے قبل اس زندگی کا خاتمہ کردیا۔ جس کسی کو چاہا دنیا میں ذریعۂ وضع حمل لایا وہ بھی اس قدر اعصابی نظام کے شعبہ جات کے ساتھ کہ نظام ہاضمہ نظام دوران خون و نظام قلب و دماغ نظام گردہ و جگر نظام بصارت و سماعت و گویائی وغیرہ کہ ہر نظام پر ریسرچ کے بعد ضخیم سے ضخیم کتب لکھی جاچکی اور لکھی جارہی ہیں ۔

پھر بعد پیدائش بھی اللہ پاک نے انسان کو جب چاہا جس عمر میں چاہا اس دنیا سے

اٹھالیا اور جسکو عمر طبیعی دینی چاہی اسکو عالم طفلکی بچپن میں داخل فرمایا پھر اسکو مکمل انسان بناکر عنفوان شباب کی منزل پر پھر عین شباب کی بلند چوٹی پر لاکھڑا کیا اور اسکے تمام جسمانی صلاحیتوں کو شباب بخشا۔ پھر آہستہ آہستہ اسکو اڈھیڑ پن کی عمر میں لے آیا جہاں اس کی جسمانی قوتوں و صلاحیتوں کا انحطاط اور دماغی صلاحیتوں کا شباب شروع ہوا اور تجربہ کار کہلایا جانے لگا اور بصورت کوشش و عمل اسکو روحانی شباب سے بھی ہمکنار کیا۔ بہر حال اللہ پاک کی عطا کردہ ایک معینہ مدت جسے عمر کہتے ہیں کہ اختتام پر اللہ پاک نے بذریعہ قبض روح جسم سے روح کے تعلق کو قیامت تک کے لیے ختم فرماکر روح کو عالم برزخ روانہ فرمادیا اور جسم یا تو زمین میں دفن کر دیا گیا یا جلا دیا یا پانی میں پھینک دیا گیا اور مچھلیوں نے کھالیا پھر بروز قیامت جسم اور روح کا ملاپ ہوگا جیسا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں :۔

"کیا ان لوگوں کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ جس اللہ نے آسمان و زمین پیدا کئے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ ان جیسے آدمی دوبارہ پیدا کردے اور ان کے لئے ایک میعاد معین رکھی ہے کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں" (بنی اسرائیل)

"اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائینگے تو کیا ہم از سر نو پیدا اور زندہ کئے جائینگے آپ فرما دیجئے۔ (اے نبی مکرم صلعم) کہ تم پتھر یا لوہا یا کوئی مخلوق ہو کر دیکھ لو جو تمہارے ذہن میں بہت ہی بعید ہو اس پر پوچھیں گے کہ وہ کون ہے جو ہم کو دوبارہ زندہ کرے گا آپ فرما دیجئے کہ وہ ہے جس نے تم کو اول بار پیدا کیا تھا اس پر آپ کے آگے سر ہلا کر کہیں گے کہ یہ کب ہوگا، آپ فرما دیجئے کہ عجب نہیں یہ قریب ہی آپہنچا ہو"۔ پارہ ۱۵۔ سورہ بنی اسرائیل ۱۷۔ رکوع ۴)

پس معلوم ہو چکا کہ انسان پھر اپنے پرانے جسم کے ساتھ بروز قیامت پیدا کیا جائے گا مزید تفصیل آگے آئے گی اب ہم سورہ یسین کی تلاوت کریں۔

"اور پھونکا جائے گا صور جبھی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑتے چلیں گے۔ کہیں گے ہائے ہماری خرابی کس نے ہمیں سوتے سے جگا دیا یہ ہے وہ جس کا رحمٰن نے وعدہ دیا تھا اور رسولوں نے حق فرمایا وہ تو نہ ہوگی مگر ایک چنگھاڑ جبھی وہ سب کے سب ہمارے حضور حاضر ہو جائینگے تو آج کسی جان پر کچھ ظلم نہ ہوگا اور تمہیں بدلہ ملے گا مگر اپنے کئے کا۔ بے شک جنت والے آج دل کے بہلاووں میں چین کرتے ہیں وہ ان کی بیبیاں سایوں میں

ہیں تختوں پر تکیہ لگائے۔ ان کے لئے اس میں میوہ ہے اور ان کے لئے ہے جو مانگیں ان پر سلام ہوگا مہربان رب کا فرمایا ہوا اور آج الگ پھٹ جاؤ اے مجرمو! اے اولاد آدم کیا میں نے تم سے عہد نہ لیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری بندگی کرنا یہ سیدھی راہ ہے اور بیشک اس نے تم میں سے بہت سی خلقت کو بہکا دیا تو کیا تمہیں عقل نہ تھی۔ یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ تھا آج اسی میں جاؤ بدلہ اپنے کفر کا آج ہم ان کے مونہوں پر مہر کر دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے۔ اور ان کے پاؤں ان کے کئے کی گواہی دیں گے

(پارہ ۱۸ ع ۱۲)

کیا زندگی مراد ہے صرف جسم و روح ہی کے ملاپ سے؟

اب ہم آخری مرحلہ پر آتے ہیں۔ جیسا کہ ظاہر کیا گیا جسم و روح کا وہ ملاپ جو اس خاکی پتلے کو متحرک کر دے۔ قلب کو دھڑکن جسم میں خون کی روانی اور سانس کی آمد و رفت بحال رکھے قوت بصارت قوت سماعت قوت گویائی عطا کرے زندگی ہے جس طرح بھاپ ریل چلاتی ہے خاک کے پتلے کو متحرک کرنے والی بھاپ کا نام ہے "روح" مگر اب ایک سوال جو حل طلب باقی رہ جاتا ہے وہ ہے۔ کیا روح اور جسم کے ملاپ کے بغیر زندگی ہی نہیں؟ جیسا کہ اس کے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ نے عالم ارواح میں تمام ارواح کو جمع فرما کر سوال کیا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟" تو سب ارواح نے جواب دیا "ہاں آپ ہمارے رب ہیں ہم گواہ ہوئے" ارواح نے سوال اس وقت سنا اور جواب دیا جبکہ ان کا جسم سے کوئی سروکار نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ جسم سے روح کا ملاپ نہ بھی ہو تو زندگی موجود رہتی ہے اور روح میں قوت سماعت اور قوت گویائی کے لئے جسم کا ہونا ضروری نہیں۔ ہم اور آگے بڑھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ قوت سماعت اور قوت گویائی احساس اللہ پاک نے انسان ہی کو نہیں بلکہ آسمانوں پہاڑوں جمادات کو بھی عطا فرمائے ہیں اب ہم قرآن کی اس آیت کو آنکھوں سے لگاتے ہیں۔

"ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا ان سب نے اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے اور انسان نے اسکو اٹھا لیا"

مندرجہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ سمجھنے اقبال یا انکار کرنے بات کرنے اور احساس کی قوتوں

کے ذریعہ خوشی اور ڈر کی کیفیات دصلاحیتیں جو انسانی زندگی کا جزو سمجھا جاتا ہے اللہ پاک نے زمینوں پہاڑوں کو بھی عطا فرمائی ہیں اور حتیٰ کہ شجر و حجر کو بھی۔ اس لحاظ سے ان میں بھی زندگی ہے علامہ کہتے ہیں :۔

خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیم تری ؛ شجر حجر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں

مندرجہ بالا پیش کردہ آیات قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ زندگی ایک وسیع سمندر ہے جو جسم اور روح کے ملاپ کی محتاج نہیں بلکہ انسان کے لئے بھی ایسی منزل آتی ہے کہ زندگی جسم اور روح کے ملاپ کی محتاج نہیں رہتی۔ جسم سے روح کے نکل جانے کے بعد انسان از روئے قرآن زندہ رہتا ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں :۔

" اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مُردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں " (پارہ اول سورہ البقر)

اور پھر فرماتے ہیں :۔

" اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا۔" (سورہ آل عمران آیت ۱۶۹/۳)

مندرجہ بالا آیت قرآنی اعلان کر رہی ہے کہ جسم اور روح کے ملاپ ہی کا نام زندگی نہیں بلکہ اللہ کے پاس کی زندگی جو اصل زندگی ہے وہ اور ہی نوعیت رکھتی ہے۔ حالانکہ بہ اعتبار جسم شہداء کی موت واقع ہو جاتی ہے ان کے جسم پارہ پارہ کر دیئے جاتے یا ہو جاتے ہیں وہ دفن بھی کر دیئے جاتے ہیں ان کی بیوائیں بعد عدت دوسرے مردوں سے نکاح بھی کر لیتی ہیں ان کے بچے یتیم کہلاتے اور ان کی وراثت لائق تقسیم ہو کر تقسیم بھی ہو جاتی ہے اس کے باوجود اللہ پاک حکم فرماتے ہیں انہیں مُردہ نہ کہو انہیں مردہ خیال نہ کرنا کیونکہ وہ زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں اور بہت خوش ہیں ان کی زندگانی کی تمہیں خبر نہیں۔ صاف ظاہر ہو گیا کہ زندگانیوں کے بھی نوعیتیں اور اور اقسام ہیں اور صرف جسم اور روح کا ملاپ صرف ایک نوعیت کی زندگی کا نام ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں :۔

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو ؛ پختہ ہو جائے تو شمشیر بے زنہار تو

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی ؛ ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

شب کی خاموشی میں جز ہنگامہ فردا نہیں ٭ موت کی لیکن دل دانا کو کچھ پروا نہیں
اگرچہ ایک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی ٭ آشکارا ہے یہ اپنی قوت تسخیر سے

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تخریب تعمیر کا آغاز ہے۔ اختتام کے ساتھ ہی آغاز شروع ہوتا ہے۔ فنا کے ساتھ ہی بقا کی منزل آتی ہے جب زندگی کروٹ بدلتی ہے تو موت اور موت جب کروٹ بدلتی ہے تو زندگی کا سورج نمودار ہوتا ہے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ فنا کیا ہے اور بقا کیا ہے؟

بقا اور فنا کا تصور

جیسا کہ کہا جا چکا ہے انسان عالم بالا سے اس کرہ ارض پر بھیجا گیا تو مکان و زماں کی قید کے تابع ہو گیا جس کا نتیجہ تغیر اور انقلاب کی صورت میں ظاہر ہونا شروع ہوا۔ جب تغیر انقلاب بقا و فنا کا ریسرچ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آنے میں دیر نہیں لگتی کہ یہ سب ظاہری ہیئت کو بدلتے رہنے کے نام ہیں حتیٰ کہ موت اور زندگی پر بھی اسی اصول کا الحاق ہوتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مادہ کبھی فنا نہیں ہوتا بلکہ کبھی نظروں سے غائب ہوتا ہے تو ہم موت نام دیتے ہیں جب تغیر پذیر ہو کر دوسری ہیئت اختیار کر لیتا ہے تو ہم فنا کا نام دیتے ہیں مثال کے طور پر نمک کو پانی میں ڈال دو جب گھل گیا تو گویا نمک فنا ہو گیا مگر دراصل وہ اب بھی پانی کا جزو بن کر باقی ہے لیکن ظاہری نظریں نہیں دیکھ سکتیں مگر حس رکھنے والی زبان پہچان لے گی اسی طرح عرفان ہو تو فنا و بقا کے تصور کو عارف پہچان لے گا۔ اچھا اب پانی کو گرمی و حرارت پہنچا کر بھاپ بنا کر اڑا دو۔ پانی فنا ہو گیا اور بھاپ نے جنم لیا پانی مر گیا اور بھاپ نے زندگی پائی اور نمک پھر برتن میں نیا روپ لیکر زندہ و موجود ہے۔ اب بھاپ کو ٹھنڈک پہنچاؤ تو بھاپ فنا ہو گئی مر گئی اور پھر پانی عالم وجود میں آ گیا یعنی پیدا ہو گیا اب پانی کو اس قدر ٹھنڈک پہنچاؤ کہ وہ برف بن جائے گویا پانی فنا اور برف پیدا، پھر برف کو گرمی پہنچا دیا اسکو اپنے حال پر چھوڑ دو گویا برف نے اپنا وجود کھو کر فنا اختیار کر لی یا مر گیا اور پانی نے جنم لیا۔ بس معلوم ہوا کہ اس عالم ذاتی اور عالم اسباب میں اسباب کے تحت نوعیتیں بدلتے اور تغیر پذیر ہونے ہی کو فنا و بقا کہتے ہیں اور تغیرات ہر منزل پر ایک نئی زندگی اور نیا نام پاتے ہیں۔ انسان باپ کی پیٹھ میں رہتا اور پھر منی کی صورت بدلتا ہے تو اسکو انسان نہیں کہتے جب نطفہ بن کر ماں کے رحم میں داخل ہو جائے تو جنین کہلاتا ہے پھر جیسا کہ قرآنی آیات پیش کی گئی کہ وہ ماں کے پیٹ میں کس طرح تغیر پذیر ہوتا رہتا ہے اور ہر وقت نام بدلتا رہتا ہے اور جب وضع حمل کے ذریعہ عالم وجود میں آتا ہے تو بھی انسان نہیں

کہلاتا بلکہ طفل شیر خوار پھر بچہ لڑکا نام پاتا ہے ان منزلوں پر بھی کوئی اسکو آدمی یا انسان نہیں کہتا تاآنکہ وہ جوان نہ ہوجائے۔ دیکھا آپ نے زندگی کی نوعیتیں اور اقسام اور اس کے تغیرات کہ ہر نوعیت ہر تغیر ایک نیا نام پارہا ہے اور ہر تغیر زندگی سے محروم نہیں ہے پھر ادھیڑپن اور ضعیفی کے بعد یا قبل اس کے روح جسم سے نکل جائے تو بھی اس کے جسم کو انسان کوئی نہیں کہتا بلکہ مردہ میت یا جنازہ کہا جائے گا۔ قبر میں بھی جسم پر تغیرات کی منزلیں آئیگی جسکو آپ فنا کے نام سے تعبیر کرینگے مگر یاد رہے کہ وہ قبر میں معدوم نظر آئے یا بغیر دفن جلا دیا جائے راکھ بنا دیا جائے اسکے جسم کا ایک ایک ذرہ محفوظ ہے مگر ہیئت بدلی ہوئی ہے جو بروز قیامت یکجا کرکے جسم کی صورت میں اللہ پاک کی قدرت سے پھر عالم وجود میں لایا جائے گا جیسا کہ سورہ یٰسین کی آیات پیش کی گئی کہ ہاتھ پاؤں بروز قیامت گواہی دینگے تو ظاہر ہے کہ اس کا جسم وہی پرانا ہوگا دوسرا نیا جسم بنا کر حساب وکتاب لینا اور پھر نئے جسم کے اعضاء سے گواہی دلوانا قرین عقل ہوسکتا ہے نہ قرین انصاف۔ بس معلوم ہوا کہ انسان کا وہی پرانا جسم جو دنیا میں تھا وہ فنا نہیں ہوا صرف ہیئت بدلتی گئی اس کے ذرات زمین اور فضا میں اور بصورت مچھلیوں لکھ کھاجانے پر بھی محفوظ رہے اور بروز قیامت پھر سب یکجا کرکے بجسم عالم وجود میں بلا تاخیر لایا گیا۔ اب قرآن حکیم اور سورہ بقر رکوع ۳۵ کی تلاوت اللہ پاک کی قدرت بالغہ کا بہ بانگ دہل اعلان کر رہی ہے۔

"جب عرض کی ابراہیمؑ نے اے میرے رب مجھے دکھادے تو کیوں کر مُردے جلائے گا، فرمایا کیا تجھے یقین نہیں۔ عرض کی یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے تو فرمایا تو اچھا چار پرندے لیکر ہلالے اور انکا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ، پھر انہیں بلاؤ۔ وہ ترے پاس چلے آئیں گے۔ پاؤں سے دوڑتے اور جان رکھ کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (سورہ بقر رکوع ۳۵)

اب مولانا اعلیٰ حضرت مفتی احمد رضا خان اور مولوی سید نعیم الدین صاحب کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

"حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے لئے (۱) مور (۲) مرغ (۳) کبوتر (۴) کوا۔ انہیں بہ حکم اللہ پاک ذبح کیا ان کے پَر اکھاڑے اور قیمہ کرکے ان کے اجزاء باہم خلط کردیئے اور اس مجموعہ کے کئی حصے کئے ایک ایک حصہ ایک ایک پہاڑ پر رکھا اور سر سب کے اپنے پاس محفوظ رکھے پھر فرمایا۔ "چلے آؤ حکم الٰہی سے" یہ فرماتے ہی وہ اجزاء اڑتے اور ہر ہر جانور کے اجزاء علیحدہ ہوکر ترتیب سے جمع ہوئے اور پرندوں کی شکلیں بن کر اپنے پاؤں سے دوڑتے

حاضر ہوئے اور اپنے مرض سے قبل کی طرح مکمل ہو کر اٹھ گئے ۔ سبحان اللہ "

اب ظاہر ہو گیا کہ روح کو فنا نہیں تو جسم کو کب ہے صرف ہیئت کے بدلنے کا نام فنا ہے چونکہ مکان و زماں کے اثرات کے زیر اثر اس دنیا کی ہر چیز کی ہیئت بدلتی ہے اسلئے اس دنیا کو فانی اور ہر چیز کو موت کا ذائقہ چکھنا ضرور ہے کہا گیا اور ذات باری مکاں اور زماں کی قید سے آزاد ہیں مبرا ہیں لامکاں ہیں اسلئے تغیر کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوتا لہذا وہ فنا کی تعریف سے بالاتر ہیں اور انسان کے لئے اور دیگر مخلوق کے لئے موت نام ہے ہیئت بدلنے کا زندگی کے کروٹ لینے کا کہ ایک پہلو لیٹے لیٹے بے چینی ہوئی کروٹ بدلی سکون ملا آرام ملا اس لئے فرمان رسولِ خدا صلعم ہے کہ موت مومن کے لئے خدا کی طرف سے تحفہ ہے (ابن حبان) اسلئے علامہ اقبال ارمغان میں فرماتے ہیں۔

نشان مرد حق دیگر چہ گویم   چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

ترجمہ: "مردِ حق کا نشان ہم اس سے سوا اور کیا بیان کریں کہ جب اسکو موت آتی ہے تو اسکے لبوں پر تبسم کھیلتا رہتا ہے"۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ انسان موت سے گھبراتا ہے جبکہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسان قدرت کا شاہکار عظیم ہے تو کس طرح قدرت اپنے لاثانی شاہکار کو ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی سے مٹا دیگی علامہ اقبال کہتے ہیں :-

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا   ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے
موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے   خواب کے پردہ میں بیداری کا ایک پیغام ہے
ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں   جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقش حیات   عام اس کو یوں نہ کر دیتا نظام کائنات
جوہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں   آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
یہ اگر آئین ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح   مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صبح
مختلف ہر منزل ہستی کی رسم و راہ ہے   آخرت بھی زندگی کی ایک جولانگاہ ہے
آہ غافل! موت کا راز نہاں کچھ اور ہے   نقش کی ناپابندی سے عیاں کچھ اور ہے
جنت نظارہ ہے نقش ہوا بالائے آب   موج مضطر توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اسکو چھپا دیتی ہے یہ   کتنی بیدردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھر نہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا   توڑنے میں اسکے یوں ہوتی نہ بے پروا ہوا
اس روش کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر   یہ تو حجت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں ؛ ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدۂ قدرت میں ہے ؛ ذوقِ حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے

اچھا اب اور آگے بڑھیے علامہ اقبال انسان کے بلند مرتبت ہونے کا اظہار یوں فرما رہے ہیں کہ یہ انسان جسکی نظر ہر وقت افلاک پر رہتی ہے اور جو مقاصد میں ملائیک سے پاکیزہ تر ہے اور جو محفلِ قدرت یعنی کائینات میں شمع کی مثال بنا کائینات کو روشن کر رہا ہے اور آسمان کی وسعت تو اسکی نظرت کے ایک نقطہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس انسان کی نادانی صداقت کے لئے بیتاب رہتی ہے یعنی اشارہ ہے کہ بارِ امانت جسکو اٹھانے سے سب نے انکار کردیا تھا یہ انسان کی وہ نادانی تھی کہ اس نے اس بار کو اٹھا کر صداقت کی بیتابی کا ثبوت دیا اسی انسان کا ناخن سازِ ہستی کو چھیڑ کر ہستی کے نغمہ جات نکالتا ہے تو کیا ایسے بلند مرتبت انسان کا شعلۂ حیات گردوں کے شراروں یعنی چاند آفتاب ماہتاب سے بھی کیا کم بہا ہو سکتا ہے۔ ان خیالات کو علامہ یوں ظاہر فرماتے ہیں :-

پھر یہ انساں آں سوے افلاک ہے جکی نظر ؛ قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے پاکیزہ تر
جو مثالِ شمع روشن محفلِ قدرت میں ہے ؛ آسماں ایک نقطہ جکی وسعت میں ہے
جکی نادانی صداقت کیلئے بیتاب ہے ؛ جس کا ناخن سازِ ہستی کیلئے مضراب ہے
شعلہ یہ کمتر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا؟ ؛ کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا؟

اب علامہ تخمِ گل کی ایک اور مثال دیکر فلسفہ زندگی اور موت کو سمجھا رہے ہیں اور پھر انسان کی زندگی سے تقابل فرماتے ہیں :-

تخمِ گل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بیخواب ہے ؛ کس قدر نشو و نما کے واسطے بے تاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانہ میں جو مستور ہے ؛ خود نمائی خود فزائی کیلئے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں ؛ خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ ؛ موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوتِ آشفتہ کی شیرازہ بند ؛ ڈالتی ہے گردنِ گردوں میں جو اپنی کمند
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں ؛ موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں

اب علامہ زندگی کو ایک ندی سے تعبیر کرتے ہوئے سمجھاتے ہیں کہ یہ پہاڑ کی پیشانی سے نغمہ گاتی نکلتی ہے اور اسکا چہرہ رخسار حور کی طرح روشن ہوتا ہے وادی کے چٹانوں سے جب ٹکراتی ہے تو چور چور ہو کر قطروں میں گوہر کی طرح تبدیل ہو جاتی اور پھٹ کر بوندوں کی ایک دنیا نظر آتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

ندی نے اپنا وجود ہی ختم کر دیا لیکن جب یہ سب قطرے پھر آگے بڑھ کر مل جاتے ہیں تو پھر وہ ندی پھر اسی انداز سے بہنے لگتی ہے یعنی اگر قبر میں جسم ریزہ ریزہ ہو جائے تو بھی بعد میں بروز قیامت یکجا ہو کر پھر پہلے کی طرح ہو جاتا ہے علامہ پھر سمجھاتے ہیں کہ ندی جو پہاڑ سے نکلتے وقت نہر کی صورت تھی اور وادی میں گرتے وقت قطروں میں تبدیل ہو گئی لیکن آگے بڑھ کے جب یہ قطرے پھر آپس میں ملے تو ندی بن کر پھر بہنے لگی۔ اسی طرح زندگی کی اصلیت بھی ایک نہر رواں کی طرح ہے ان حالات میں مرنے فنا ہونے کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے اب دیکھیئے علامہ اقبال کا انداز بیان اور قوت اظہار بیان۔

آتی ہے ندی جبین کوہ سے گاتی ہوئی ؛؛ آسماں کے طائروں کو نغمہ سکھاتی ہوئی
آئینہ روشن ہے اس کا صورت رخسار حور ؛؛ گر کے وادی پر یہ ہو جاتا ہے چور
نہر جو تھی اسکے گوہر پیارے پیارے بن گئے ؛؛ یعنی اس افتاد سے پانی کے تارے بن گئے
جوئے سیماب رواں پھٹ کر پریشان ہو گئی ؛؛ مضطرب بوندوں کی ایک دنیا نمایاں ہو گئی
ہجراں قطروں کو لیکن وصل کی تعلیم ہے ؛؛ دو قدم پر پھر وہی جو مثل تار سیم ہے
ایک اصلیت میں ہے نہر روان زندگی ؛؛ گر کے رفعت سے ہجوم نوع انساں بن گئی
پستی عالم میں ملنے کو جدا ہوتے ہیں ہم ؛؛ عارضی فرقت کو دائم جان کر روتے ہیں ہم
مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں ؛؛ یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں
مرنے والوں کی جبین روشن ہے اس ظلمات میں ؛؛ جسطرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں

اسی لئے رسول اللہ صلعم نے موت کو مومن کیلئے اللہ کا تحفہ فرمایا اور علامہ اقبال نے اسکی یوں تشریح کی ہے کہ

نشان مرد حق دیگر چہ گویم ؛؛ جو مرگ آید تبسم برلب اوست

یعنی مرد خدا مرد حق کی نشانی ہم اس سے زیادہ اور کیا بیان کریں کہ جب مرد مومن (غلام محمدؐ) کو موت آتی ہے تو اسکے ہونٹوں پر تبسم ہوتا مسکراہٹ کھیلتی رہتی ہے گویا یہ اس خوشی کا اظہار ہے کہ اس نے جو پانا تھا پالیا اسکو جو ملنا تھا وہ مل گیا یعنی حیات جاوید اور ابدی زندگی اور قرب ربانی لہذا۔

مرنے والوں کی جبین روشن ہے اس ظلمات میں ؛؛ جسطرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں (اقبال)



پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ

